حضرت ابو ذر غفاریؓ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

کے

ایک خاص رازدار، عاشق زار، اور معاشی مساوات کے علمبردار

صحابی کے محققانہ سوانح اور پرکیف حالات

از

مولانا سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

ادارہ اشاعت اردو

حیدرآباد (دکن)

قیمت تین روپیہ چار آنہ سکہ عثمانیہ قیمت دو روپیہ بارہ آنہ سکہ کلدار

تعداد طبع ______ ایک ہزار

ستمبر ۱۹۴۵ء

سیّد عبد الرزّاق
پروپرائٹر

ادارہ اشاعت اردو

مطبوعہ
رزّاقی مشین پریس۔ حیدآباد دکن

دیباچہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد۔ واقعات و سوانح جو کچھ بھی اس عنوان کے تحت میں درج کئے جائیں گے ان کا زیادہ تر حصہ اصابہ اسد الغابہ استیعاب اور ابن سعد وغیرہ سے ماخوذ و مستنبط ہوگا۔ کہیں کہیں بعض باتیں صحاح اور دیگر کتب حدیثیہ سے بھی لی گئی ہیں۔

مجھے چونکہ اس مضمون میں علاوہ تاریخی بیانات کے اخلاقی نتائج کا درس دینا بھی منظور ہے۔ اس لئے بعض بعض مقاموں میں چند ایسی باتوں کا اضافہ کروں گا ممکن ہے کہ عام دماغوں کو کتب محولہ میں نہ ملیں کیونکہ اس میں نہایت دقیق اور غامض قیاس اور اجتہاد سے کام لیا گیا ہے۔ اسی لئے ابنائے عصر و اقران کرام سے مجھے امید ہے کہ قبل کسی تجسس و امعان کے وہ الزام اعتراض کی طرف عجلت نہ فرمائیں

ع   کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

تاہم میں نے اپنے خاص خاص نتائج کو لکھتے ہوئے ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے جو نقلی اور قیاسی بیان میں تمیز بخش سکتے ہیں وباللہ التوفیق۔

جدید دیباچہ تصنیف سے تیس سال کے بعد

الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات،
صالحات، اور بننے والی باتوں کا بنانے والا اس کے سوا کون ہے کہ جہاں جلال ہے، اسی کا جلال ہے، اور جہاں عزت ہے اسی کی عزت ہی اس کی اعجوبہ طرازیوں کا کیا ٹھکانہ ہے۔ بڑے اور چھوٹے کاموں پر نہ جائیے کہ جو چھوٹا ہے وہ چھوٹا ہی ہے، پر جو بڑا ہے، ہمارے اور آپ کے لحاظ سے وہ بڑا ہی، لیکن جو سب سے بڑا ہے، اللہ اکبر اس کے سامنے بڑائی کس کے لئے ہی،

اللہ اللہ میں ان دنوں بیتے ہوئے دنوں کو کتنی حیرت کے ساتھ سوچتا ہوں، خیال آتا ہے، کہ اس وقت جبکہ ہجری سن کے حساب سے سنہ ۱۳۶۴ھ کا سال ہے اس سال کا یہی ربیع الاول الانوار الاقدس کا پاک اور برگزیدہ مہینہ تھا، لیکن سن آج سے ٹھیک تیس سال پہلے سنہ ۱۳۳۴ ہجری کا تھا، دارالعلوم دیوبند کے مجلہ شہریہ "القاسم" کی ربیع الاول ہی کی اشاعت تھی کہ "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ" کے عنوان سے یہی مضمون جو آپ کے سامنے کتاب کی شکل میں پیش ہو رہا ہے شائع ہونا شروع ہوا تھا لکھنے والے کے شان و گمان میں بھی نہ تھا کہ جس مضمون کو ایک مجلاتی مقالہ کی حیثیت سے وہ لکھ رہا ہے وہ کسی زمانے میں کتاب کا قالب اختیار کرے گا۔ اور سچ تو

یہ ہے کہ معلومات و مواد کے جس محدود ذخیرے کو سامنے رکھ کر مضمون شروع کیا گیا تھا، اس کے لحاظ سے اس وقت یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی تھی۔

لیکن ربیع الاول، ربیع الثانی الغرض ہر آنے والے مہینے میں القاسم کے شماروں پر شمارے نکلتے چلے جاتے تھے اور بالالتزام اس مضمون کا سلسلہ سب میں جاری تھا، سمجھا جاتا تھا کہ اب ختم ہو جائے گا لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر منزل پر پہنچنے کے بعد یہی دیکھا جاتا تھا کہ جتنا لکھا جا چکا ہے وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے جو ابھی نہیں لکھا گیا ہے۔

الغرض دینے والا دیتا جارہا تھا اور لینے والا لے رہا تھا، خود لے رہا تھا اور دوسروں کو دے رہا تھا، اس عرصے میں بعض حوادث بھی پیش آئے، کچھ دن سلسلہ ٹوٹ بھی گیا، بہر حال وہی مضمون جو ۱۳۳۴ھ کے ربیع الاول کی اشاعت سے القاسم میں چھپنا شروع ہوا تھا، بالآخر ۱۳۳۸ھ ہجری کی ماہ ربیع الثانی میں گویا کامل چار سال ایک ماہ میں جاکر ختم ہوا،

اور یہ ماجرا تو اس کتاب کے مضامین کی کمیت کا ہے، رہی کیفیت تو ظاہر ہے، کہ مضمون نگار کی مضمون نگاری کی ابتدائی مشق کا وہ زمانہ تھا، واقعی طالب العلمی تو اس کی اب بھی جاری ہے، اور لحد کو مہد بنانے سے پہلے انشاء اللہ تعالیٰ وہ جاری ہی رہے گی لیکن اصطلاحی طالب العلموں کے جرگے سے تقریباً ان ہی دنوں میں وہ علیحدہ ہوا تھا، زندگی کے جس سفر کی آخری منزل اب سامنے ہے، اس وقت تک کل تیئس ۲۳ سال [له]

له کیونکہ "مناظر احسن" خاکسار کا تاریخی نام ہے (۱۳۱۰) جس کے اعداد میں اب اتفاقات کے ان محاسن کو کیا کہیے۔ آج بھی ربیع الاول ہی کا مہینہ ہے، جس سال اس مضمون کی ابتدا ہوئی وہ بھی ربیع الاول ہی کا ماہ مبارک تھا، اور غلام کو جس آقا کی امت مرحومہ میں شریک کرکے

بقیہ آئندہ

اس پر گزرے تھے، ایسی حالت میں کیفیت کے متعلق کسی اہمیت کی بھلا توقع ہی کیا ہو سکتی تھی،

لیکن اب میں کن الفاظ میں ان تعجب آمیز انبساطی احساسات کا اظہار کروں جب اچانک، امام الملۃ، حکیم الامۃ، سیدی الامام مولٰنا اشرف علی التھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک گرامی نامہ سے اسی مضمون کے متعلق پہلی دفعہ چونکایا گیا، حضرت والا سے شفاہی لقاء کی سعادت اس وقت تک نصیب نہیں ہوئی تھی اس لئے، اور بھی تعجب ہوا گو چند سطروں ہی کا وہ عنایت نامہ تھا۔ لیکن حضرت والا نے اس خط کو بھی ایک مستقل نام عطا فرمایا تھا، اور جسے عزت بخشی گئی تھی، وہ بھی ایک خاص خطاب سے نوازا گیا تھا، اسی زمانے میں القاسم کی کسی اشاعت میں اس "مکتوب گرامی" کو شائع بھی کر دیا گیا تھا اور اس وقت بھی موقعہ تھا، کہ میں اس نامہ فیض شمامہ کو یہاں بجنسہٖ درج کرتا، لیکن افسوس ہے کہ باوجود تلاش کے القاسم کے پرانے فائل میں وہ شمارہ نہ ملا، کاش! میری اس آرزو کی تکمیل کوئی صاحب آئندہ زمانہ میں فرمادیں۔

بہرحال جو کچھ یاد رہ گیا ہے اب اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ خط کا نام سمجھئے یا عنوان یہ تھا۔

"خطاب من ہذا الفقیر الناظر"
"الی کتاب السید مناظر"

سلسلہ گزشتہ۔ پیدا کیا گیا اس وقت بھی وہی ربیع الاول کی ۹ ر تاریخ تھی، جو آقا کی تشریف آوری کا مبارک و مسعود مہینہ تھا

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شدی بس ست

اضطراری سعادتوں کو بھی بزرگوں نے سعادت کی ایک قسم قرار دی ہے فالہم لاتحرمنی عن ثمراتھا ۱۲

جس لقب سے سرفرازی بخشی گئی تھی وہ یہ تھا یعنی خطاب کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا گیا تھا،

"ابی سید الکاتبین احسن اللہ مناظرہ"

مضمون کے جس حصہ کو پڑھ کر اس خاص عنایت کی طرف حضرت والا کی جو توجہ ہوئی تھی، اس کے بعد اس کا ذکر تھا، ارقام فرمایا گیا تھا کہ

"اس مضمون کا لکھنے والا اگر محقق ہو چکا ہے تو"

"یہ مضمون اس کی محققیت کی دلیل ہے" ورنہ"

"محققیت متوقعہ کی دلیل ضرور ہے"

اصل مکتوب چونکہ سامنے نہیں ہے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ الفاظ میں تقدم و تاخر کا اختلاف پیدا ہو گیا ہو لیکن الفاظ انشاء اللہ یہی تھے، مجھے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ "مجاذیب و بہالیل" جو مسلمانوں کے فقراء کی ایک عام قسم ہے، اس باب میں فقیر نے جن خیالات کا اظہار اور جن مستند ماخذ کو اس سلسلہ میں پیش کیا تھا، اس پر خصوصیت کے ساتھ زیادہ شاباشی عطا فرمائی گئی تھی، بلکہ خیال آتا ہے، کہ بطور وصیت کے یہ بھی ارقام فرمایا گیا تھا کہ آیندہ ان کی مشہور کتاب "التکشف" کو جو صاحب شائع کریں، اس میں مضمون کے اس حصہ کا بھی اضافہ کر دیں۔ واللہ اعلم اس وصیت کی تعمیل کی گئی یا نہیں،

اور یہ پہلی بشارت تھی جو اپنے عہد کے ایک مجدّد کے ذریعہ سے اس مضمون کی کیفیت کے متعلق مجھ تک پہنچی۔

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھا، کہ اس زمانہ کے معاصر پرچوں میں بھی اس مضمون کی نقلیں شائع ہونے لگیں۔ حتیٰ کہ مدراس کے ایک بزرگ نے تو کمال ہی

کر دیا کہ ابھی مضمون نصف سے کم ہی شائع ہو سکا تھا، لیکن صبر سے کام نہ لے سکے، اور تکمیل کا انتظار کئے بغیر جلد اول کے عنوان سے شائع شدہ حصہ کو کتاب بنا کر انھوں نے چھاپ بھی دیا۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ ایک دوست نے اطلاع دی منگا کر دیکھا، کاغذ خصوصاً قسم اول میں تو انھوں نے گویا آرٹ پیپر ہی کا لگایا تھا۔ لیکن کتابت اور طباعت حد سے زیادہ حوصلہ شکن تھی۔ تاہم اپنے فطری اقتضار کی بنیاد پر خاموش ہو کر رہ گیا۔

پھر مضمون کی تکمیل کے بعد مطبع قاسمی کے مالک اور منیجر مولٰنا طاہر صاحب نے بھی کتاب کی شکل میں دوسری دفعہ اس کو چھاپا، مگر افسوس ہے کہ چھاپنے سے پہلے اب کی بھی مجھے مطلع نہ کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گو کتابت و طباعت کاغذ کے لحاظ سے تو چنداں شکایت کی کوئی بات نہ تھی، لیکن پہلے نسخہ میں جو نقائص اور غلطیاں رہ گئی تھیں قریب قریب وہ ساری باتیں طبع دوم میں بھی باقی ہی رہ گئیں۔ لیکن درویش کا قہر ظاہر ہے کہ جان درویش کے سوا اور کہاں جا کر ٹوٹ سکتا ہے۔

اس عرصے میں وقتاً فوقتاً بعض اہل نظر کی نظر سے یہ کتاب گزرتی رہی ان نقائص اور خرابیوں کے باوجود میں نے تبریک و تحسین کے ان الفاظ کو ہمیشہ تعجب سے پڑھا، اپنے آپ کو جن کا کبھی مستحق نہیں خیال کرتا تھا، مولوی ظفر الملک علوی تو اپنے رسالے "الناظر" میں ہمیشہ اس کتاب کا اشتہار دیتے ہوئے التزاماً ان الفاظ کو استعمال کرتے تھے کہ "نرالے اور البیلے" طرز تحریر کا ایک عجیب و غریب نمونہ ہے؛

اس سلسلے میں کم از کم میری نگاہ میں جس واقعہ کی حیثیت ایک تاریخی واقعہ کی ہے، وہ اس فقیر اور مولٰنا عبد الماجد صاحب دریا آبادی مدیر صدق

و مترجم قرآن کے تعلقات کی ابتدا ہے جس حلقہ میں فقیر اور مولنا کے تعلقات کو آج خاص امتیاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، شاید اُن حضرات کو یہ معلوم نہیں۔ کہ ابتداء ان کی اسی کتاب "الغفاری" سے ہوئی۔

خاکسار جامعۂ عثمانیہ میں "معلم الصبیاتی" کی خدمت اختیار کر چکا تھا جامعہ ہی میں ایک دن ایک کارڈ ملا' ایسے حروف میں لکھا ہوا جن سے آشنا نہ تھا' اور حروف بھی ایسے کہ اپنی خاص خصوصیتوں کی وجہ سے ان سے یوں بھی آشنا ہونا مشکل ہی تھا' تاہم کوشش کی گئی اور بحمداللہ آشنائی میں کامیابی' اور کیسی کامیابی! جس کا سلسلہ یہ توقع ہے کہ ابد تک انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گا' الدنیا کے ساتھ ساتھ "الآخرۃ" میں بھی امیدوار ہوں کہ اس کے نتائج سے مستفید ہونے کا موقعہ بخشا جائے گا۔ وماذالک علی اللہ بعزیز۔ مولنا عبدالماجد صاحب نے اپنے اس سب سے پہلے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا تھا کہ تمھاری کتاب جو صورۃً۔ اگرچہ پڑھنے کے قابل نہ تھی۔ لیکن غالباً کسی کے کہنے سے میں نے جب اس کو پڑھ لیا۔ تو مصنف کو اس کی محنت کی داد نہ دینا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جرم اور گناہ کی حد تک پہنچ جائے الغرض اسی گناہ کے ازالہ کے سلسلے میں اس رقیمہ مودّت سے سرفرازی بخشی گئی تھی' اس میں جو کچھ ارقام فرمایا گیا تھا' کچھ یاد بھی نہ رہا۔ اور ضرورت اعادہ کی باقی ہی کب ہے "سچ" اور "صدق" کے صفحات میں "الحب نقد" کے زیر اثر ان کے قلم نے جو ابدی نقوش ثبت کئے ہیں' ظاہر ہے کہ اب اس سے زیادہ اس سلسلہ میں اور کیا لکھا جا سکتا ہے!

خلاصہ یہ ہے' کہ ان صوری اور معنوی نقائص اور کوتاہیوں کے

باوجود جو ابتک اس کتاب میں باقی رہ گئی تھیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ کہنے والوں نے اگرچہ

من صنف استہدف — جس نے تصنیف کی وہ نشانہ بنایا گیا

کے فقرے کو ضرب المثل کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے، لیکن خدا کے فضل واحسان کے سوا اسے اور کیا سمجھوں کہ فقیر کو بالکل اس کے برعکس اپنی اس کتاب کے متعلق

من صنف عُرف — جس نے تصنیف کی، اسکی تعریف کی گئی

کا مسلسل تجربہ ہوتا رہا۔

نواب صدر یار جنگ بہادر سابق صدر الصدور ممالک آصفیہ سے نیاز مندی کے تعلقات گو بہت قدیم ہو چکے تھے، لیکن ان کے سامنے اپنے تصنیفی کوششوں کو پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔
ایک خاص وجہ سے "الغفاری" ان کی نظر سے اتفاقاً جب گزری تو جو اثر اس کتاب سے ان کے قلب دانا، اور ضمیر روشن نے لیا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پچھلے دنوں بیسیوں چیزیں فقیر نے لکھیں، لیکن شروانی صاحب نے سب کو پڑھ کر یہی ارقام فرمایا کہ "الغفاری" والی بات کسی میں نہیں۔ ایک مہینہ کے قریب ہوتا ہے کلکتہ کے مشہور سیاسی مجاہد مولوی راغب احسن ایم۔ اے کا شفقت نامہ آیا۔ وہ ایک زمانہ تک ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینوں میں رہ چکے ہیں۔ وہی ارقام فرماتے ہیں کہ تیری کتاب "الغفاری" کو ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی بہت پسند فرماتے تھے۔ بلکہ انھوں نے یہی لکھا ہے کہ اس کتاب میں حضرت ابوذر کے جس خاص "معاشی نظریہ" کا ذکر کیا گیا ہے، اسی کو نصب العین بنا کر ڈاکٹر مرحوم نے مولوی راغب صاحب کو

آمادہ کیا تھا، کہ "ابو ذر سوسائٹی" کے نام سے مسلمانوں میں ایک خاص جماعت تیار کرنی چاہیئے"۔

تیس سال کی مدت کے یہ سوانح ہیں۔ جو اس کتاب پر گزرے لیکن میں ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو اس میں رہ گئی تھیں ہمیشہ اپنے آپ کو قلق میں پاتا تھا۔ کچھ دن ہوئے، ارادہ کر کے بیٹھ گیا۔ اور نظر ثانی میں مشغول ہوا، عنفوان شباب کی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی کہولت بلکہ شیخوخت کے قریب زمانے میں دیکھنے سے جو کیفیت کسی مصنف پر گزر سکتی ہے گزری تو وہ مجھ پر بھی، اور جی چاہا کہ بجائے نظر ثانی کے نئے سرے سے اسے پھر مرتب کروں۔ اس عرصے میں بعض نئے معلومات بھی مختلف کتابوں میں مل گئے تھے۔

لیکن پھر خیال آیا، کہ ایک خاص وقت میں جو واقعی میری زندگی کا خاص وقت ہی تھا، اس کے یاد دلانے کی جو کیفیت کتاب کی موجودہ حالت میں جو پائی جاتی ہے، جدید ترتیب و تدوین میں وہ بات جاتی رہے گی، مناسب یہی معلوم ہوا کہ نومشقی کے زمانہ میں جس طرح بھی جو چیزیں پڑی تھیں اب اس کو اسی حال میں رہنے دیا جائے[1] بلکہ بعض جاننے والوں نے تو مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس حال میں یہ مضمون تم نے لکھا ہے، چونکہ اب وہ حال تمہارا باقی نہیں رہا ہے، اس لئے گو یہ ہو سکتا ہے کہ جدید ترتیب و تدوین میں الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے کتاب زیادہ

---

[1] یہ رائے میرے حقیقی منجھلے بھائی برادرم مولوی سید مکارم احسن گیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ کی ہے انہوں نے جن حالات میں مجھے زندگی کے مختلف نشیب و فراز میں پایا ہے، اتنی واقفیت اور کس کو ہو سکتی ہے اسی لئے ان کی اس رائے کا مجھ پر خاص اثر پڑا ۱۲

بہتر اور پختہ بن جائے۔ لیکن تاثیر کی جو کیفیت اس میں تمہارے اس زمانے کے باطنی واردات اور احساسات کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے، وہ یقیناً نہ پیدا ہو سکے گی، اور یہ واقعہ ہے کہ اس کتاب کے جن تاثیری نتائج کے معائنہ کرنے کا موقعہ وقتاً فوقتاً مجھے ملتا رہا ہے اپنے کسی دوسرے مضمون یا کتاب کے متعلق ان کا تجربہ کبھی نہیں ہوا، بہار کے ایک رئیس و عالم جو مجھ سے عمر میں کہیں زیادہ تھے، حضرت مولانا محمد علی صاحب (مونگیر) قدس اللہ سرّہ العزیز کی خانقاہ کی حجرے میں ایک دن ان کو دیکھا کہ پلنگ پر لوٹ رہے ہیں، اور ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں، مولانا رحمت اللہ ان کا نام تھا، مظفر پور وطن تھا، ایک مستقل عربی مدرسہ کے ناظم و بانی تھے اب انتقال ہو گیا (رحمۃ اللہ علیہ) بہرحال اس حال میں ان کو پا کر جب میں نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟ فرمانے لگے کہ کیا ہوا؟ خود تم نے ذبح کیا اور پوچھتے ہو، کہ تڑپتے کیوں ہو، فرمانے لگے بھائی! ابھی تمہارا مضمون حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا پڑھ رہا تھا، بعض مقامات اس کے ایسے تھے، کہ دل بے قابو ہو گیا، اس وقت رو رہا ہوں اور ایک ان ہی کو نہیں، متعدد حضرات پر اس کتاب کا اثر یہی پایا گیا ہے،

ان ہی وجوہ و اسباب نے جدید تدوین و ترتیب کے خیال سے تو ہٹا دیا صرف کتابت کی غلطیاں جہاں جہاں رہ گئی تھیں حتی الوسع ان کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور کچھ جدید معلومات اس عرصے میں جو جمع ہو گئے تھے، ان میں سے بعض ناگزیر اہم باتوں کا اضافہ چند مواقع پر کر دیا گیا ہے۔

ہمارے برادر عزیز مولوی مخدوم محی الدین صاحب (نظام آبادی) نے

میری تصحیح اور اس اضافہ کے بعد والے مطبوعہ نسخہ کو پھر قلم سے نقل کر کے میرے حوالہ کر دیا تھا، جو کئی سال سے میرے پاس پڑا ہوا تھا اب میرے محترم دوست مولوی غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج کی تحریک سے مولوی اقبال سلیم صاحب (گاہندری) تیار ہوئے ہیں۔ کہ اس مصحح و مرممہ نسخہ کو طبع کر کے شائع کریں، حق تعالیٰ ان کی اعانت فرمائے اور ان کا یہ نیک ارادہ پورا ہو

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

خاکسار
مناظر احسن گیلانی
کلیہ جامعہ عثمانیہ (شعبہ دینیات)
۲۲ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قبیلہ غفار کی جائے سکونت

مکہ مکرمہ سے جو کاروانی راستہ پہاڑوں کے دروں[1] اور ریگستانی بیابانوں میں ہوتا ہوا شام و فلسطین کی طرف جاتا ہے ٹھیک اسی شاہراہ کے کسی ایک سمت میں غفار بن ملیل بن ضمیر (جو کنانی النسل[2] عرب تھے) کی اولاد غفار کے نام سے بسی ہوئی تھی[3] عام طور سے اس لفظ کا تلفظ غین کے زبر اور ف کے تشدید کے ساتھ کیا جاتا ہے جو غلط ہے صحیح یہ ہے کہ غین کو کسرہ یعنی زیر اور ف کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے یعنی غِفار۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے واقدی کے حوالہ سے بدر (مشہور معرکہ کارزار) کے ذکر میں نقل کیا ہے کہ عن غیر واحد من شیوخ بنی غفار "انما ہی ماؤنا و منازلنا"، ص ۲۲۳ - مطبوعہ مصر نسخہ صدیقیہ جب کا یہی مطلب ہے کہ بنی غفار کے متعدد بزرگوں کا بیان ہے کہ بدر ان لوگوں کا ماویٰ اور قیام کی جگہ تھی، ممکن ہے کہ قبیلہ غفار کے مختلف منازل میں یہ بھی ہو ۱۲

[2] کنانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پندرھویں پشت میں واقع ہوتے ہیں اور انھیں پر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے ہیں۔ وسیانی التفصیل ۱۲

[3] بخاری۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۶۱

غفاریوں کے اخلاق و عادات

قریش[1] کے رحلۃ الصیف کا ایلاف و شوق انھیں پہاڑی سڑکوں کی پشت پر پورا ہوتا تھا۔ آئے دن قریشی تاجروں عربی ساہوکاروں کے ہزاروں اونٹ عرب کی مخصوص پیداواروں سے لدے ہوئے شام کی طرف جاتے تھے۔ اور وہاں سے شامی غلے رومی دولتوں کے انبار عرب لاتے تھے خیال کیا جاتا ہے کہ جوں جوں بازنطینی حکومت شام میں اپنے قدم جا رہی تھی عربی تجارت کو خاص ترقی ہوتی رہی۔ غسانیوں کی پشت پناہی میں رومی درباروں تک عرب کی بخوبی گزر ہوتی تھی۔ ان کے لیے ان ملکوں میں ہر طرح کی آسانیاں مہیا ہوتی رہیں۔ تا آنکہ آخر زمانہ میں تو عرب تجارت سے رومی حکومت نے چنگی کا محصول بھی اٹھا دیا تھا۔

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ عرب کی اِن تجارتی ترقیوں پر راستے کے قبائل و اعراب کی للچائی ہوئی نگاہیں پڑنے لگیں اور رفتہ رفتہ اس معاملہ نے یہ صورت اختیار کی کہ غفار کے جوشیلے بہادر نوجوانوں سے نہ رہا گیا۔ پھر جیسا کہ جہالت و افلاس اور شجاعت کے مجموعی جذبات و قوٰی کا تقاضہ ہے۔ غفاریوں کے ہاتھوں سے دامن صبر چھوٹ گیا۔ گزرنے والے قافلوں پر اُنھوں نے ڈاکہ زنی شروع کر دی۔ بیچارے راہ گیر و غریب مسافروں کو لوٹنے لگے۔

اس کے بعد یہ ناممکن تھا کہ ان کی غارت گری اسی حد تک اَکر ٹھہر جاتی۔ ہر جرم دوسرے جرم کا مقدمہ ہے، علم النفس کا ایک مشہور و مسلم

---

[1] قریش اپنے ملک سے تجارت کی غرض سے دو موسموں میں نکلا کرتے تھے گرمیوں میں ان کا سفر شام و بصریٰ کی طرف ہوتا تھا اس کا نام رحلۃ الصیف یعنی گرمی کا سفر تھا، اور سردیوں میں وہ یمن کے مرکزی شہروں میں گھومتے ہوئے۔ عراق کی طرف بھیل جاتے تھے اور اس کا نام رحلۃ الشتا یعنی سردی کا سفر تھا، قرآن مجید نے ان کے دونوں سفروں کا ذکر کسی خاص مناسبت کے ساتھ کیا ہے ۱۲

قانون ہے۔ ضمیر کے خلاف جس وقت ایک کمزوری بھی سرزد ہو جاتی ہے تو آئندہ اب اس کا انسداد مشکل ہو جاتا ہے بسا اوقات بے باکی بہت زیادہ دردناک ہو جاتی ہے۔ غفاریوں کو کیا معلوم تھا کہ راہزنی کے بعد انہیں ارد گرد کے قبیلوں کے ریوڑ بھی تاخت و تاراج کی دعوت دیں گے حتیٰ کہ ایسا ہی ہوا۔ غفاری ڈاکوؤں کی ایک جماعت بھی جو صبح کی اندھیریوں میں اکثر قبیلوں پر چھاپے مارتی۔ چراگاہوں پر دھاوے کر کے ان کے اونٹوں کو ہنکا لاتی۔[1]

غفار کا شہر حرام کی تحلیل اور آہ کہ اگر اسی پر بس ہو جاتا تو ایک حد تک غنیمت تھا لیکن یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جب عیش پرستی اور مال اندوزی کے ناپاک جذبات کا روحوں اور دلوں پر تسلط ہو جاتا ہے تو انسان پھر انسان باقی نہیں رہتا۔ اس کے دل و دماغ پر مہر لگ جاتی ہے۔ پھر وہ نہ حقوق اللہ کی پرواہ کرتا ہے اور نہ خلق اللہ کی زبان ملامت اسے روک سکتی ہے۔ حرص وہوا کے دیوتاؤں نے ہمیشہ روحانیت کی دیواروں کو معمورۂ دل سے ڈھا کر برباد کیا ہے حتیٰ کہ احساس عزت و خودداری بھی معطل ہو جاتے ہیں۔

بنی آدم اپنی ہستی آپ فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسے بالکل خیال نہیں ہوتا کہ میری حرکتوں پر دنیا کیا کہے گی۔ خدا کو کیا جواب دونگا۔

یہی بدحالی یہی ابتری غفاریوں پر آخر میں طاری ہوئی کہ اب تک وہ جو کچھ بھی کر رہے تھے عرب کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی اور ایک حد تک ایام جاہلیت کی بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے یہ امر خنداں

---

[1] مستنبط از طبقات ابن سعد و صحاح

شنیع بھی نہ تھا لیکن اب ان کا قدم اور زیادہ تیز ہوا یعنی اشہر حرم[1] کی تعظیم وتکریم جو عرب اور تمام عرب کے نزدیک خواہ وہ کسی صورت میں ہو ایک مذہبی روایت قومی خصوصیت کی شکل میں مسلم تھی۔

---

[1] اشہر حرم چار ہیں جن کی ترتیب صحیح روایات کے اعتبار سے یہ ہے رجب مضر، ذیقعدہ ذوالحجہ۔ محرم۔ رجب کو رجب مضر اس لئے کہتے ہیں کہ ربیعہ کی نسلیں بجائے رجب کے رمضان کا احترام کرتی تھیں قبائل عرب ان مہینوں میں قتال و محاربہ تاخت و تاراج کو حرام سمجھتے تھے حتیٰ کہ اس کی پابندی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ اگر ان مہینوں میں کسی کے سامنے اس کے باپ کا قاتل بھی آجاتا تو قتل وقتال تو کجا بُرا بھلا کہنا بھی روا نہیں رکھتے تھے، بعد کو جب عرب میں ملت ابراہیمیہ کی جانب سے لاپروائیاں ہونے لگیں تو احتیاط میں کمی ہونے لگی۔ حیلے اور بہانے کی بنا پڑی مثلاً اگر محرم میں ان کو لڑنا منظور ہوتا تو محرم کی حرمت صفر میں منتقل کردیتے اگر اس میں بھی فرصت نہیں ملتی تو ربیع الاول اس بار عظیم کا حامل قرار پاتا وھکذا۔ حتیٰ کہ اخیر میں کلیہ ہوگیا کہ حرمت صرف سال کے چار مہینوں میں ہے تخصیص کی قید لغو ہے مگر اس میں بھی انھیں دقت ہونے لگی۔ ۱۲ مہینے جلد جلد ختم ہوجاتے تو پھر سال میں اضافہ شروع ہوا۔ کوئی سال تیرہ مہینہ کا اور کوئی ۱۴ کا الیٰ غیر ذالک۔ ان تحریفات کا اثر موسم حج پر بھی پڑتا تھا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۹ھ میں جب حج کیا ہے تو ذیقعدہ کا مہینہ تھا۔ آخر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج ۱۰ھ میں کیا تو ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ٹھیک موسم حج تھا اسی بنا پر آپ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا۔

الا ان الزمان قد استدار کھیئۃ یوم خلق اللّٰہ السمٰوات والارض (صحاح)

جس وقت خدا نے آسمان و زمین پیدا کئے تھے زمانہ کی جو ہیئت اس وقت تھی اسی پر آج پھر گھوم کر آگیا۔

مگران دنیا پرستوں نے میرے خیال میں محض اس لئے کہ ان چار مہینوں کے قافلے ہاتھوں سے بلا وجہ ضائع ہو جاتے ہیں متفق ہو کر یہ قانون پاس کر لیا کہ اشہر حرم کی تمام احکام و رعایات ایک بے معنی مذہبی ڈھکوسلے ہیں جس میں علاوہ قدامت پرستی کے بڑی خرابی یہ ہے کہ ایک عظیم معاشی نقصان جو کسی طرح قابل برداشت نہیں غفاریوں کو اٹھانا پڑتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ محض اس عقیدہ کی وجہ سے ہماری رفاہیت قومیہ افلاس و مسکنت کی شکار بن جائے۔

الغرض قبیلہ غفار نے اشہر حرم کی حرمت کو حلال کر کے پھر وہ کھیل کھیلا کہ عرب کی سب سے بہادر قوم قریش بھی ان کی ترکتازیوں سے دبنے لگی انھیں ہر موقع پر باوجود سیدالاقوام ہونے کے ان کی رعایت کرنی پڑتی تھی[1]

آپ کی ولادت اور نام و نسب

غفاریوں پر اسی قسم کے طغیان و تمرد کے بادل چھائے ہوئے تھے لیکن عین انھیں دنوں میں جنادہ بن کعب بن صعیر بن الواقعہ بن سفیان بن حرام بن غفار کے گھر رملہ بنت رہیعہ کے بطن سے جو ایک غفاریہ خاتون تھیں وہ سعید لڑکا پیدا ہوا جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان کو زمین نے اپنی پشت پر

بقیہ گزشتہ۔ قرآن مجید نے بھی ان مہینوں میں فساد و ظلم سے منع کیا ہے مگر بالاتفاق مقصود یہ ہے کہ ان مہینوں میں ارتکاب جرائم میں زیادہ برائی ہے ورنہ یوں تو گناہ گناہ ہے اور ہر آن میں ہے۔ یہ بجنسہٖ ایسا ہے جیسا کہ سرزمین حرم کو ایک خاص خصوصیت ہے کہ گناہ کی برائی اس میں زیادہ شدید ہو جاتی ہے ۱۲

---

[1] ماخوذ از بخاری

کبھی نہیں اٹھایا تھا اور نہ آسمانوں نے اس سے زیادہ اصدق ترین لہجے والے کو اپنے آغوش طلال میں پالا تھا[1] اور جو اپنے عیسوی تقویٰ وورع کی وجہ سے اخیر میں مسیح الامۃ کے نام سے ملقب کیا جانے کا بجا طور پہ مستحق قرار پایا۔

ماں باپ نے آپ کا نام جندب[2] رکھا اور اسی نام کی وہ پیاری تفسیر ہے جسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "یا جُنیدِبُ"[3] کے مشفقانہ خطاب میں استعمال فرمایا ہے۔ ابوذر آپ کی کنیت ہے عام طور سے آپ اسی کنیت کے ساتھ مشہور ہوئے۔

ایام جاہلیت کے ابتدائی حالات و سیر

یہ بالکل ناممکن ہے کہ انسان جس قوم میں پیدا ہو اُن کے عادات و اطوار کے پرتو اُس پر نہ پڑیں۔ اِلّا ماشاء اللّٰہ غفار ایک غارت پیشہ، راہزن قوم تھی۔ تو کوئی تعجب نہیں، اگر حضرت ابو ذر غفاری میں بھی اُن کے عادات و خصائل پیدا ہوتے۔ بالآخر یہی ہوا۔ جب کچھ جوان ہوئے، تیر و کمان سنبھالنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ دست و بازو نے تلوار کے قبضہ کی طرف اشارہ کیا۔ اُٹھے، اور جا کر قافلوں کو لوٹ لیا۔ ریوڑوں کو بھگا لائے فطری شجاعت نے اُن کو اور بھی زیادہ

---

[1] یہ نص نبوی ہے جیسا کہ عنقریب آپ کے مناقب میں اس کی تفصیل آتی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تشبیہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی رہی کما سیاتی ۱۲

[2] بعضوں نے آپ کا اصلی نام بریر بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو کیا ایک آدمی کے دو نام نہیں ہوتے ۱۲ [3] ابن ماجہ

جری بنا دیا تھا۔ کبھی کبھی زیادہ ولولہ اُٹھتا تو تنِ تنہا راتوں کو قبیلوں پر جا پڑتے، اور عرب کے بہادر گلہ بانوں کو للکار کر تہِ تیغ کرتے ہوئے اونٹوں کو بھگا کر اکیلے اپنے قبیلے تک لے آتے۔ کبھی خیال گزرتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر بلا کسی رفیق کے کاروانوں کو جا کر لوٹ کھسوٹ لیتے تھے دیکھنے والوں کا بیان ہے ان کا حملہ پیادہ پا ہوتا تو عجیب چستی و چالاکی سے قافلوں میں گھستے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بپھرا ہوا شیر بکریوں پر جا پڑا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی اس قزاقانہ مساعی پر قوم کے بزرگوں سے خوب خوب دادیں ملیں اور چونکہ جوان طبیعتوں کی اشتعال پذیری کے لئے اس سے زیادہ موثر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے راہزنی میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا ہوگا اور اس معاملہ میں بہ نسبت اور لوگوں کے ان کی دست درازیاں حد سے گذر گئیں ہوں گی۔

راہزنی سے توبہ

اور میرے نزدیک یہی زیادتی شاید ان کے لئے مفید ہوئی۔ غالباً ان کی سلیم فطرت بچوں کے مسلسل شور و بکا، عورتوں کی گریہ وزاری سے اخیر میں متاثر ہوئی۔ ناممکن ہے کہ ڈھاڑیں مار مار کر بیچاری عورتیں ان کے قدموں پر روز و شب تڑپتیں۔ اور وہ دل جو قدرت نے ان کے سینے میں ودیعت فرمادیا تھا ان سے نہ پگھلتا۔

آخر پگھلا، پسیجا، کہ آپ پر اصلی فطرت غالب آگئی۔ اور صحبت کے برے آثار جو طبیعی نہ تھے مقہور ہو گئے۔ آپ کو اپنی ظالمانہ حرکتوں پر سخت ندامت ہوئی عقل نے بھی اندرونہ دل میں رافت اور رحمت کی

بوندیں ٹپکائیں۔ اور اخیر میں یوں سمجھو! کہ وہ جو ہمیشہ گرتوں کو سنبھالتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے مُردے سے زندوں کو اُٹھاتا ہے۔ اُسی کا دست کرم ظاہر ہوا اور کھل گیا کہ یہ جو کچھ ہے حرص کی غلامی اور ہوا و ہوس کی پرستاری ہے۔

اِدھر خیالات میں یہ انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ شرخیر کے دریا کو جنبش میں لے آیا کہ اس کے بعد ہی جیسا کہ ہر تائب کو توبہ کے بعد ہوتا ہے کہ جرائم و معاصی کی مفصل فہرست آنکھوں کے سامنے کھل گئی۔ گزشتہ تعدیوں، خونریزیوں کے خیال نے ہوش اُڑا دئے۔ آخرت کے خیال نے دل میں ہل چل ڈالدی۔

اِسلام سے پہلے عبادت خدا کا خیال

عرب مشرک ضرور تھے دیوتاؤں اور دیویوں پر اُنھیں یقیناً بھروسہ تھا، اور بنی غفار بھی تمام اعمال ضلالت، وخبث میں اُن کے دوش بدوش تھے، لیکن قرآن و حدیث ایام و اشعار کی تتبع سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اُنھوں نے سرے سے بھلا نہیں دیا تھا، اگر ہم کہیں کہ وہ اپنے تمام معبودوں میں خداوند تعالیٰ کو سب سے بڑا سب سے زیادہ قدرت و حکمت والا مانتے تھے تو کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ بتوں کو اُنھوں نے محض سفارت و شفاعت کا عہدہ دے رکھا تھا اپنی معمولی حاجات یا صرف دنیوی ضروریات کو ان کے آگے پیش کرتے تھے ورنہ اگر کوئی امر مہم پیش آجاتا تو اس وقت اُن کی پیشانی بھی خدائے واحد ہی کے آگے جھک جاتی تھی۔

فاذا رکبوا فی الفلک دعوا — جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں تو

الله مخلصين له الدين فلما نجاهم الى البر اذا هم يشركون۔

خدا کو سچے دل سے پکارتے ہیں پھر جب خدا انھیں خشکی کی طرف نکال دیتا ہے تو وہی شرک کرنے والے ہو جاتے ہیں۔

سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ بعض قبیلوں کے دلوں میں تو ان بتوں کی چنداں وقعت بھی نہ تھی کھجوروں کے بت کو قحط کے ایام میں عربوں کا چٹ کر جانا ان کی دلی تکریم کی پوری تشریح کرتا ہے۔

بہر کیف وہ خداوند تعالیٰ کو ضرور مانتے تھے اور سب سے بڑا معبود مانتے تھے۔ اپنے اہم معاملات میں اس کی طرف رجوع کیا کرتے تھے علی الخصوص جب کہ کوئی اُخروی و دینی ضرورت ہو۔

اور اسی بناء پر میرا قیاس ہے کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ اپنی عاقبت[1] کی بد انجامی کا خوف روز بروز بہت زیادہ شدت پذیر ہوا۔ مضطرب ہو کر انھوں نے بجائے اساف و نائلہ لات و عزیٰ کے یہی رائے قائم کی کہ میرا جرم عظیم ہے میں نے سیکڑوں بکیسوں مسافروں، بچوں اور عورتوں کو بے دردی کے ساتھ ستایا ہے۔ اس لئے اب مجھے اپنی عمر کا باقی حصہ اکیلے خدا کی عبادت و پرستش میں گزار دینا چاہئے۔ ممکن ہے کہ یہی عبادت گزشتہ معصیتوں کی کفارہ ہو جائے، اس خیال کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہو کر چڑھا کہ بغیر کسی تعلیم و ارشاد کے خود اپنے جی سے عبادت کی کچھ صورت مقرر کر لی کہ صرف دل کی پشیمانی

---

[1] آخرت کا خیال اکثر عربوں میں موجود تھا البتہ ایک روشن خیال طبقہ تھا جو ان چیزوں کو اساطیر الاولین (پہلوں کی داستانیں) اور 'افک قدیم' (پرانا جھوٹ) کہہ کر لغو قرار دینے کی کوشش کرتا تھا ۱۲

اور اقرار الوہیتہ سے عبادت کی حقیقت مکمل نہیں ہو سکتی تھی جیسا کہ فطرت سلیمہ بشریہ کا تقاضا ہے۔

خود فرماتے ہیں۔

ولقد صلیتُ یا ابن اخی قبل ان القی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث سنین (طبقات و صحیح مسلم)	میرے بھتیجے! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے سے تین سال پہلے سے نماز پڑھتا تھا۔

راوی نے پوچھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے تھے کہ عرب کی شرک وضلالت کو دیکھتے ہوئے اس کو نماز کا نام سن کر تعجب ہوا آپ نے فرمایا کہ للہ (خدا کے لئے)

اس نے پھر پوچھا کہ تو کس طرف رخ کر کے پڑھتے تھے جواب میں فرمایا۔

حیث یوجھنی اللہ	جدھر اللہ تعالی جھکا دیتے ہیں۔

اور اخیر میں تو گزشتہ اعمال وافعال کی فراوانی دیکھ دیکھ کر اس درجہ آپ پر خشیت مسلط ہوئی کہ تعجب ہوتا ہے۔ خود بیان کرتے ہیں۔

اصلی عشاء حتی اذا کان اخر السحر القیت کانی خفاء حتی تعلونی الشمس (صحیح مسلم و طبقات)	رات کی نماز کے لئے کھڑا ہوتا (اور کھڑا رہتا) یہاں تک کہ جب پچھلی رات بھی ختم ہونے کے قریب ہوتی تو اپنے آپ کو زمین پر ڈال دیتا اور اس طرح پڑا رہتا کہ گویا کوئی کپڑا اترا ہوا ہے یہاں تک کہ مجھ پر دھوپ پڑنے لگتی تھی (تو اٹھتا)

الغرض چند ہی دنوں میں حضرت ابو ذر غفاری کا رنگ ہی دوسرا

ہو گیا۔ راہزنی کے تمام ولولے تاخت و تاراج کے جوش و خروش یکایک ٹھنڈے پڑ گئے۔ صبح و شام اپنی فرضی عبادت میں محو رہتے۔

ترکِ وطن

ایسا خیال ہوتا ہے کہ بنی غفار پر آپ کی اس اجنبی حالت کا خاص اثر ہوا ہوگا۔ اولاً تو ان باتوں کو وہ ایک جنون و دیوانگی سمجھتے ہونگے ثانیاً اُن کو اپنے قوم کے ایک بڑے بہادر کی کمی کا خیال بہت گراں گزرا ہوگا پھر ساتھ ہی اس کے جیسا کہ نفس انسانی کی سلیم فطرت کا اقتضاء ہے کہ وہ اندھے کو کنوئیں کی طرف جاتا دیکھ کر چلا اٹھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ اس میں گر نہ جائے اسی طرح یقیناً حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن چیزوں کو اپنے روحانی احساس کے ذریعہ سے زہر سمجھ چکے تھے ان سے اپنی قوم اور برادری کے لوگوں کو روکتے ہوں گے خصوصاً جب کہ ان کو اپنی قوت فیصلہ کی طاقت پر اس درجہ اعتماد بڑھا ہوا تھا کہ وہ ایام اسلام میں صحابہ کی رایوں کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے تو غالباً اس روک ٹوک کا قصہ بڑھتے بڑھتے زیادہ طول کھینچا ہوگا تفصیل تو نہ مل سکی گمان ہے کہ نزاع شہر حرام ہی کے متعلق ہوئی۔ اور معاملہ زیادہ نازک ہوا۔ بنی غفار آمادہ اذیت و پیکار ہوئے حتیٰ کہ مجبور ہو کر آپ نے اس وقت ترک وطن کو مناسب سمجھا فرماتے ہیں۔

خرجنا من قومنا غفار وکانوا یحلون الحرم (طبقات وصحیح مسلم)	اپنی قوم غفار سے میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ لوگ حرام مہینوں کو حلال سمجھتے تھے۔

اپنی جلاوطنی کے قصہ کے درمیان میں اشہر حُرم (حرام مہینوں کی) تحلیل کو لے آنا بتاتا ہے کہ آپ کی زیادہ برافروختگی اسی مسئلہ پر تھی۔

بہر کیف آپ اپنی والدہ محترمہ اور بھائی انیس رضؓ کو ساتھ لے کر گھر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہی بنی غفار جس کو کسی زمانہ میں ابو ذر رضؓ کے دست و بازو پر فخر و ناز تھا۔ آہ کہ کس درجہ عبرت ناک نظارہ ہے کہ حق و صداقت کی حمایت کی بدولت وہ اپنے آبائی وطن کو چھوڑ تا ہے۔ سچائی نے لوگوں کو اس کا دشمن بنا دیا ہے۔ اس کی تمام آبرو عزت محض اس لئے دلوں سے نکل چکی ہے کہ وہ ان کے فسق و فجور پر راضی نہ تھا۔

تاریخ کی زبان گو ساکت ہے۔ اور نہیں بتاتی کہ قوم کے اس معزز انسان پر اس کی اصلاح کے بعد کیا کچھ گزری لیکن تجربہ اور مشاہدہ تصویر تکلم ہے۔ وہ آئے دن اس کا مرقع ہمارے سامنے اس وقت پیش کرتا ہے جب مہذب ڈاکوؤں، متمدن غارت گروں کی جماعت کا کوئی آدمی رشوت و خیانت فریب و دغابازی کی عادتوں سے توبہ کر کے محض اپنی حلال تنخواہ پر اوقات گزارنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تو یکایک جیسے اس وقت اس کی تمام زبیدار مغزیاں انتہائی خر دماغیوں کے لفظوں سے تعبیر کی جاتی ہیں اگر اس سے پہلے وہ اپنے کنبہ کا سب سے زیادہ ہوشمند و جوان بخت فرد تھا تو اس کے بعد قبیلے کا وہ ایک سخت احمق اور منحوس آدمی بن جاتا ہے۔

اس سے پہلے قوم کا ایک ایک آدمی اس کی عنایت پرورانہ تبسموں کا آرزو مند رہتا تھا۔ لیکن اب لوگوں کو اس کی چیخ پکار کی بھی پرواہ نہیں وفی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔

جب حق وراستی کے یہ لازمی نتائج ہیں تو اگر ہم یہ کہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضؓ کے ساتھ بھی ان کی قوم کا یہی برتاؤ ہوا تو کوئی تعجب نہیں۔

غفار کے خیموں پر جوان کے بچپنے کے کھیلنے کی جگہ تھی۔ ان صحراؤں پر جوان کی شہسواری کے بازی گاہ تھے آہ کہ ان سب پر نگاہ حسرت و الم ڈالتے ہوئے وہ رخصت ہو رہے ہوں گے۔ مگر اُمید نہیں کہ غفار یوں کا کوئی آدمی ان کو روکنے کے لئے اٹھا ہو گا۔ اور غفاری کیا روکتے کہ وہ تو جاہل تھے۔ آج جب تعلیم یافتوں کا یہی حال ہے تو تا بجاہلاں چہ رسد۔ خصوصًا بعض ضعیف روائیتوں سے جب یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابو ذرؓ جس سال اپنے وطن سے باہر نکلے وہ قحط کا سال تھا قبیلہ والوں نے "خس" کی اس کمی کو "جہاں" کی پاکی قرار دی ہوگی۔

ماموں کے یہاں آنا

بہر کیف آپ کی جلا وطنی کی علت خواہ کچھ ہی ہو۔ آپ نے غفار کو چھوڑا۔ قریب کے رشتہ داروں میں آپ کے ایک مہربان ماموں نجد کے بالائی علاقہ میں اقامت گزیں تھے۔ وہیں کا ارادہ کیا۔

قطع منازل کے بعد اس قبیلہ میں پہنچے آپ کے ماموں نے جو اپنی بچھڑی ہوئی بہن (یعنی آپ کی والدہ) کو اس غربت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھا، جی بھر آیا، بھانجوں کی تسلی کی خیمے خالی کر دئے غرض ایک ماموں سے جس ہمدردی کی امید ہو سکتی تھی وہاں آپ کو میسر آئی۔ نہایت چین و اطمینان کے ساتھ رہنے لگے۔ یہاں ان کو اپنے مشغلے سے کوئی روکنے بھی والا نہ تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ تجربوں نے آپ کو سکوت و صبر کی تعلیم بھی دے دی تھی کوئی نیا فتنہ بھی نہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دن اسی طرح آرام و سکون کے ساتھ گزرے۔

ل حلیۃ الاولیاء ابو نعیم صہ ۱۲۹ نسخہ خطبہ کتب خانہ آصفیہ ۱۲

ماموں کے پاس سے روانگی

ماموں نے بھی آپ کی عنصر طیب اور جوہر ذاتی کو پہچان لیا روز بروز ان کی توجہ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے ماموں کے ہاں آنے جانے والے لوگوں کے دل میں رشک کا مادہ پیدا ہوا۔ ان دونوں بھائیوں نے بہت سے حاشیہ نشینوں کی جگہ لے لی۔ ان کے گھر کے کام جواب تک دو مردوں کے ساتھ متعلق تھے۔ ان لوگوں کے سپرد ہو گئے۔ الغرض مختلف اسباب و علل نے اس مادہ کو تیز کیا۔ یہاں تک کہ رشک نے حسد کی صورت اختیار کی مخالفوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو ان کے خلاف ہر امکانی کوشش کرنے کی فکر میں مصروف رہتی تھی۔

آپ کے ماموں کبھی کبھی سیر و شکار کی غرض سے گھر سے باہر بھی جایا کرتے تھے۔ مخالفوں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ سبھوں نے مل کر آ کر کہا۔ کہ

> جناب جب آپ باہر جاتے ہیں اور گھر میں کوئی نہیں رہتا تو آپ کے بھانجے (انیس) گھر والوں پر افسری کرتے ہیں اور ہر قسم کی ابتری پھیلا دیتے ہیں" ان کی وجہ سے لوگوں کی ناک میں دم ہے۔

آپ کے ماموں کی عنایات گو آپ کے بھائی پر بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھیں اور شاید اسی وجہ سے شکایت کا ان پر کوئی غیر معمولی اثر بھی نہ ہوا تاہم وہ آدمی تھے۔ ایک دن موقعہ پا کر انھوں نے پوچھ لیا کہ بھائی انیس ایسا کیوں کرتا ہے۔

اس جملے کا سننا تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپے سے باہر ہو گئے۔ ایک تو اس لئے کہ وہ فطری طور پر ایک کرڑے مزاج کے آدمی تھے۔ دوسرے غربت و مسافرت میں انسان کا دل بہت چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ کسی کی معمولی بات کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔ پھر واقعہ بھی سرے سے غلط، اور ممکن ہے کہ انجام کا بھی خیال آیا ہو۔ کہ اگر اسی طرح ہم لوگوں کی شکایتیں ہونے لگیں تو گو ابھی معاملہ زیادہ خطرناک حد تک نہیں پہنچا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آئندہ ہمیں اپنے ماموں کے گھر سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے۔

بس پھر کیا تھا۔ حسرت بھرے لہجے میں آپ نے اپنے ماموں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے تمام گزشتہ احسانات کی نہروں کو گدلا کر دیا
بس اس کے بعد ہمارا اجتماع آپ کے ساتھ ممکن نہیں۔
اور اپنے اونٹوں پر لد کر بلا کسی توقف کے روانہ ہوئے۔

بچارے ماموں کو کیا خبر تھی کہ محض اتنی سی بات پوچھنے سے ابوذر کا یہ حال ہو گا وہ تو ہکا بکا ہو کر رہ گئے۔ روکتے تھے۔ تسلیاں دیتے تھے مگر یہاں کون سنتا ہے وہ وقت بھی نہایت دردناک تھا جب ان لوگوں کے اونٹ اس قبیلے سے نکل رہے تھے خود حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔

فغطیٰ خالنا ثوبہ وجعل یبکی[1] ماموں اپنے منہ کو کپڑے سے ڈھانک کر روتے جاتے تھے

الغرض رائی پہاڑ بنی اور آپ کو یہاں سے بھی رخصت ہونا پڑا۔

---

[1] یہ تمام واقعات صحیح مسلم، طبقات سے ماخوذ ہیں

مکہ کی طرف رخ کرنا

مکہ معظمہ عرب کا مشہور شہر تھا۔ اپنے اونٹوں کو اسی طرف پھیر دیا خاص شہر میں تو جانا آپ نے مناسب نہ سمجھا، لیکن اسی کے ارد گرد کسی قریب کے گاؤں میں اتر پڑے اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔ اس پر کچھ دن گزر گئے کہ اسی عرصہ میں آپ کے بھائی انیس کا جو ایک زبردست شاعر تھے کسی دوسرے شاعر سے مقابلہ ہوگیا۔ انیس[1] اپنے اشعار کی تعریف کرتے اور اُسے بلند پایہ بتاتے اور دوسرا اپنی شاعری کی مدح سرائی کرتا اور اسے بڑھاتا۔ الغرض اسی نوک جھونک میں شرط کی نوبت آگئی۔ بات اس پر طے ہوئی کہ جو ہارے وہ اپنے ریوڑ جیتنے والے کے نذر کرے۔ ایک کاہن حکم مقرر ہوا دونوں اس کے پاس حاضر ہوئے[2]۔ خوش قسمتی سے کاہن نے حضرت انیس کے موافق فیصلہ دیا۔ ان کے اشعار کو خصم کے شعروں سے بہتر بتایا حضرت انیس خوش خوش اپنی ریوڑ کے ساتھ اس کے ریوڑ بھی قیام گاہ پر ہنکا لائے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس تائید غیبی پر بہت مسرت ہوئی۔

دربار نبوی تک باریابی کے اسباب

یہ وہ زمانہ تھا کہ رافتہ سماویہ، ملۃ ابراہیمیہ کے اتمام و احیاء کے لئے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقتہ قدسیہ کا انتخاب کرچکی تھی حرا کا واقعہ نزول وحی، بعثت کے حوادث گزر چکے تھے۔ اسلام کی تبلیغ کی آواز عشیرہ

---

[1] میں نے خنافرانیس جو صحیح مسلم و طبقات کا جملہ ہے اس کی شرح امام محی الدین نووی کی رائے کے مطابق کی ہے ۱۲

[2] کنز العمال میں حریف مقابل شاعر کا نام درید اور حکم بجائے کاہن کے لکھا ہے۔ کہ عرب کی مشہور شاعرہ خنساء تھی ۱۲

رقبہ میں سے گذر کر ام القری میں گونج چکی تھی۔ گھر گھر اس نئے دین ظاہر ملۂ غالبہ کا چرچا تھا کفاروں میں اسلاف پرستی کے جذبات موجزن تھے۔ بچوں سے بوڑھوں تک اپنے خود تراشیدہ معبودوں کی تائیدوں میں سرشار ہو رہا تھا۔

راہ گیروں اور مکہ میں آکر بازار کرنے والے اعراب و مسافرین کے کان کھڑے ہو چکے تھے مکہ سے جو باہر جاتا وہ اس خبر کو ہر اپنے شناسا ملنے جلنے والے کو تعجب سے سناتا تھا۔

اسی عرصہ میں مکہ سے کوئی مسافر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پڑاؤ کی طرف گزرا۔ آرام لینے کے لئے کچھ دیر شاید وہاں ٹھیرا ہو گا بات میں بات پیدا ہوئی۔ معلوم نہیں حضرت ابو ذرؓ کے خیالات سے اسے قبل سے واقفیت تھی یا اسی وقت ان کی گفتگو سے اسے معلوم ہوا کہ آپ بھی ایک ہی خدا کے ماننے والوں میں سے ہیں۔ بہر کیف اس نے کہا۔ ابو ذر! یہ تم جو کچھ کہتے ہو مکہ کا ایک شخص بجنسہ اسی کا مدعی ہے۔ دعوی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کلام نازل فرمایا اور اسے اپنا پیغمبر بنایا ہے۔ خدا کا حکم ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی معبود سے کوئی واسطہ نہ رکھو[۱] اس نے تو روا روی میں یہ خبر سنائی۔ لیکن ادھر حضرت ابو ذر کا دل بلیوں اچھل پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گوہر مقصود کی جگمگاہٹ نے ان کے دل و دماغ کو روشن کر دیا۔ سمجھ لیا کہ وقت قریب ہے دل کی بے چینی کی دوا آسمان سے اتر چکی ہے۔

سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے اور نہایت اضطراب کے ساتھ سرور کائنات

---

[۱] طبقات ص ۱۶۳ ج ۴۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرنے لگے۔

کہ ان کا اصلی وطن کہاں ہے۔ کس قبیلہ کے آدمی ہیں مکہ کے کس خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

راہ گیر نے سارا نشان پتہ بتا دیا کہ وہ مکہ کا باشندہ ہے اور قبیلہ قریش کے ممتاز خاندان کا آدمی ہے[1]۔

اس قدر پوچھ کر آپ چپ ہو گئے، دل میں ایک انجذابی کیفیت تھی جو رہ رہ کر ان کو مکہ معظمہ کی طرف گھسیٹ کرلے جانا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ اپنے بت پرست بھائی کا خیال کچھ مشرکہ ماں کی خاطر سے دل میں اس انگارے کو دبائے بیٹھے رہے جو تبلیغ کے بعد ہر لیسے دل میں خود بخود بلا کسی دلیل وحجت کے پیدا ہوتا ہے۔ عقیدت والفت کا ایک دریا تھا جو روح ابوذر میں جوش زن تھا۔ نہیں سمجھتے تھے کہ کیا ہے اور کیوں ہے۔ مگر تھا اور وہ اس کی ہیجان سے بے کل تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں مگر یہاں تو سعادت آپ کی پیشانی چوم چکی تھی آپ کے رشد وہدایت کا سامان آسمان پر کیا گیا تھا۔ انیس رضؓ نے یکایک آپ سے آکر کہا "بھائی جان! میں ذرا مکہ جاؤں گا۔ آپ ذرا انٹوں کی نگہداشت فرمائے گا۔ ان کے چارہ پانی کا خیال رکھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ جلد واپس آتا ہوں[2]"

ایک آواز تھی یا بجلی جس کی رو تمام قویٰ وحواس پر آناً فاناً دوڑ گئی۔

---

[1] طبقات اور صحیح مسلم ۱۲

[2] بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر نے حضرت انیس کو جانے کا حکم دیا تھا لیکن صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے انھوں نے سبقت کی ہیں نے دونوں میں تطبیق دی ہے کہ یہ اجازت کے لیے امر تھا۔ نہ کہ ابتدائی۔ ۱۲

خدا جانے حضرت ابو ذر نے کیا دیکھا سامنے سے کیا چیز تڑپ کر نکل گئی مگر فوراً کچھ سوچ کر آپ یکایک تھم گئے اور خود ساختہ طمانیت و سکون طاری کرتے ہوئے (بجنسہ اس طرح جب کہ ایک بدنام و ناکام کوچہ محبوب سے روکا گیا ہو اور آنے جانے والوں سے کسی کی خیریت و صلاح اجنبی انداز کے ساتھ پوچھتا ہے) انیس رضؓ کو آپ نے اجازت دی اور اصل مقصد کو جس بے غرضانہ اسلوب مگر دل دوز لفظوں میں ادا کیا ہے میں اسے بجنسہ بخاری سے نقل کرتا ہوں۔

ارکب الی ھذا الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل الذی یزعم انہ نبی یاتیہ الخبر من السماء واسمعہ من قولہ ثم ائتنی (بخاری)	اس وادی (مکہ) کو جاؤ (کوئی مضائقہ نہیں) (مگر ہاں) میرے لئے یہ کرتے آنا کہ وہ جو اپنے کو نبی خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان سے اس کے پاس خبریں آتی ہیں ذرا اسکی حالت دریافت کرنا سننا کہ وہ کیا کہتا ہے (یہ کرکے) پھر آنا

ادھر حضرت انیس تو مکہ روانہ ہوئے۔ ادھر ایک شعلہ انتظار تھا جو ان کے رخصت ہوتے ہوئے حضرت ابو ذر رضؓ کے دل و جگر میں بھڑکنے لگا رہ رہ کر اس کی شدت بڑھ رہی تھی۔ حتیٰ کہ اس سختی کو آپ اسلام کے بعد بھی نہ بھولے تھے اپنی داستان سناتے ہوئے فرما دیتے

فراث علی لہ	انیس نے بہت دیر لگائی تھی

بہرکیف دیر ہوئی تھی یا نہیں لیکن حضرت ابو ذر رضؓ پر یہ وقت بہت گراں گزرا اور شاید اس سے زیادہ شکایت کسی تراخی کی انھوں نے کبھی نہیں کی۔

لہ طبقات ۱۲

حضرت انیسؓ واپس ہوئے ایک معمولی انداز کے ساتھ ملے اور پھر پوچھا کہ اتنی دیر تم نے کہاں لگائی۔ حضرت انیسؓ نے فرمایا کہ "اُسی آدمی سے ملنے میں دیر ہوئی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو آپ کا ہے اور وہ اچھی عادتوں کی تعلیم دیتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول گمان کرتا ہے"۔

حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ اچھا مکہ والے ان کو کیا کہتے ہیں کیسا آدمی سمجھتے ہیں۔ انیسؓ نے کہا کہ اسے کوئی شاعر کہتا ہے اور کوئی کاہن کہتا ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس موقعہ پر غایت نشاط و مسرت کے ساتھ اپنے اسلام کی حالت بیان کرتے ہوئے خاص اس مقام پر فرمایا کرتے تھے۔

"انیس حالانکہ ایک اچھا شاعر تھا۔ مگر اس نے یہی کہا کہ صاحب میں نے شعر کے اوزان پر ان کے شعروں کو خوب جانچا۔ شعر تو وہ یقیناً نہیں ہیں۔ رہا کاہن تو میں سیکڑوں کاہنوں سے بھی ملا ہوں ان کی باتیں سنی ہیں لیکن اس شخص کے کلام کو ان کی گفتگو سے کوئی واسطہ نہیں قسم خدا کی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں یقیناً وہ سچا ہے وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں بدی سے روکتے ہیں[۱]

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا کیا حال ہوا۔ پوچھنے کی ضرورت

---

[۱] صحاح و طبقات ۱۲

نہیں۔ ناصح جب دل گرفتوں کا ہم خیال و ہمدم بن جائے تو اس وقت اطمینان کی جو خنکی دلوں میں محسوس ہوتی ہے حضرت ابوذرؓ کے سینہ کو بھی اسی سے معمور سمجھنا چاہیئے۔

حضرت انیسؓ کے خیال کے اس انقلاب نے ان کے تمام غم غلط کر دئیے اور ایک مسرورانہ لہجے میں فرمایا۔

ما شفیتنی مما اردت

(بخاری)

ہم جس مرض کا علاج چاہتے ہیں تم اس کی شفا نہیں لائے (اور وہ کہاں سے لا سکتے تھے)

اس کے بعد کہا کہ انیس!

اکفنی اذھب فانظر

(طبقات)

تم میری جگہ اب گھر رہو ذرا میں جاتا ہوں تاکہ میں بھی تو دیکھوں کہ کون ہے (کہ ساری تڑپ اور بے چینی اسی ایک نظر کے لئے تھی اور آہ! کہ اس وقت تک کتنوں کو ہے)

سفر مکہ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت کیا کر رہے تھے لیکن شیراز کے بلبل نے صدیوں کے بعد اس اشتیاق و بے چینی کی تصویر ان لفظوں میں کھینچی ہے جس کا نقل کرنا اس موقعہ پر ناموزوں نہیں۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم | راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم
چوں صبا با دل بیمار و تن بی طاقت | بہوا داریٔ آں سرو خراماں بروم
دلم از وحشت زندان سکندر[1] بگرفت | رخت بر بندم و تا ملک سلیماں بروم

---

[1] سکندر کی اولوالعزمیاں سرا سر جاہ و مال کی دیوتاؤں کی تابع تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فقط اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھی حافظؒ اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔

در رہ او چو قلم گر بسرم باید رفت — با دل دردکش و دیدۂ گریاں بروم
نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آمد روزے — تادر میکدہ شاداں و غزل خواں بروم
بہوا دریئی او ذرہ صفت رقص کناں — تالب چشمۂ خورشید درخشاں بروم

آخر وہ ذرہ اُڑا جو غفار کے خانوادہ میں چشمہ خورشید سے ملنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا محمد بن اسمٰعیل بخاری اور محمد بن سعد کاتب الواقدی راوی ہیں کہ اس کی پیٹھ پر ایک چھوٹی سی سیاہ مشک پانی سے بھری لدی ہوئی تھی اور زنبیل میں تھوڑے سے مقل[1] کے دانے تھے تلاش محبوب میں تنِ تنہا حجاز کے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے وہاں جارہے تھے جہاں جانے کے بعد پھر اُنھیں کسی جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔

جذبۂ شوق نے منزل کو آسان کیا اور سامنے مکہ کا سواد نظر آیا۔ نہیں بتایا جاسکتا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اس سے پہلے بھی کسی اُفق سے امید کی صبح کو اس طرح طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا یا نہیں۔ آج وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تو نہیں ہیں لیکن جگر سوختوں سے اب بھی پوچھ سکتے ہو جن کے سامنے قبہ خضرا اپنے مسکراتے ہوئے ناصیہ جمال سے یکایک ظاہر ہوتا ہے اور شغدف والے تڑپ تڑپ کر کبھی اپنی جانوں کو بھی کھو بیٹھے ہیں فالحیٰوۃ حیٰوتھم والممات مماتھم۔

---

[1] مقل کے عام معنی گوگل کے ہیں جو دھونی اور بخورات میں استعمال کئے جاتے ہیں لیکن اس کے اور معنی بھی ہیں صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ دوم کے پھل کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں سے مشابہ ہوتا ہے۔ غیاث نے بیروں کے مشابہ بتلایا ہے اور یہی یہاں مراد ہے۔

اس کی مستی کو مجھ سے نہ پوچھو! کہ میری ایسی قسمت[1] کہاں ہے

---

[1] الحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات کہ کسی کی سوئی ہوئی قسمت اس تحریر کے چودہ سال کے بعد ۱۳۷۲ھ میں بالآخر جاگی۔ جہاز ہی سے خیالات میں تلاطم پیدا ہوا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روانگی کے وقت حافظؒ کی غزل یاد آئی تھی ان ہی بزرگوں کی جوتیوں کے طفیل میں جب وہ سعادت میسر آئی جس کی تعبیر کا خیال کے حاشیہ میں بھی گنجایش نہ تھی تو شکستہ جذبات نے نظم کی صورت اختیار کی تیمناً و تبرکاً شاید یہاں پر ان کا درج کرنا ناموزوں نہ ہوگا

"عرضِ احسن"

ہر ایک سے ٹکرا کر   ہر شغل سے گھبرا کر
ہر فعل سے شرما کر   ہر کام سے پچتا کر

آمد بدرت بنگر

اے خاتم پیغمبر

یا قاسم للکوثر   اے سرورِ ہر سرور
دے رہبرِ ہر رہبر   اے آنکہ توئی افسر
ہر کہتر و ہر بہتر   فی المبدء والمحشر
اے ہستی تو محور   للاکبر والاصغر
اے طلعتِ تو مظہر   للاول والآخر
اے رحم جہاں پرور   آقائے کرم گستر

آمد بدرت بنگر

امروز چہ بہانے   ناکارہ و نادانے   (باقی آیندہ)

ہاں وہ بتا سکتے ہیں جو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کی گل بیزیوں سے وارفتہ ہو کر۔

(بقیہ صفحہ گزشتہ) آلودۂ عصیانے آغشتۂ دامانے

بازیچۂ شیطانے از کردہ پشیمانے

آمد بدرت بنگر

نے مونس و نے یاور

نے ساز نہ سامانے نے علم نہ عرفانے

نے فضل نہ احسانے نے دین نہ ایمانے

از خانۂ ویرانے وز کلبۂ احزانے

از محبس و زندانے ناشکری و کفرانے

آمد بدرت بنگر

کالحائر والمضطر

باچاک گریبانے با سینۂ بریانے

با دیدۂ گریانے با اشک فراوانے

با نالہ و افغانے با سوزش پنہانے

با دانش حیرانے با عقل پریشانے

در صورت عطشانے در گدیۂ درمانے

خواہد ز تو فرمانے پروانۂ غفرانے (باقی آئندہ)

لہ حدیث میں ہے۔ ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ — میرے گھر (جواب روضہ مطہرہ ہے) اور منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

واعظ مکن نصیحت با شوریدگاں کہ ما　　　با خاک کوئی دوست بفردوس بنگریم

چلائے ہیں۔ آہ! کہ جن کی آخری تمنا۔

(بقیہ سلسلہ گزشتہ)

آمد بدرت بنگر

البائس[1] والمعتر

شاہا تو بہ من بنگر　　　بر رحمت خود بنگر
انصاف تو کن آخر　　　غیر از تو مرا دیگر
من[2] ناظر والناصر　　　والشافع مستغفر

آمد بدرت بنگر

تو جوشش[3] رحمانی　　　تو سایۂ یزدانی
تو شاہد ربانی　　　تو جلوۂ سبحانی
تو جوہر فردانی　　　تو مرکز اعیانی
تو مبدءِ اکوانی　　　تو مقصدِ امکانی
تو مرجع و پایانی　　　تو جانی و جانانی
ہم روحی و روحانی　　　تو زبدۂ انسانی
تو نیّر فارانی　　　تو درۂ عدنانی
تو محیط قرآنی　　　تو خاتمِ ادیانی
ہاں! دینی و ایمانی　　　اے آنکہ تو درمانی
ہر رنج و پریشانی　　　بنگر کہ مسلمانی　　　(باقی آئندہ)

---

[1] محتاج۔ فقیر۔
[2] کون نگران و مددگار ہے اور کون سفارش کرنے والا۔ اور استغفار کرنے والا ہے۔
[3] ان مصرعوں میں حقیقت محمدیہ کے تدریجی تنزل و ظہور کو ایک خاص طرز سے ادا کیا گیا ہے۔

زاں پیشتر کہ عمر گراں مایہ بگذرد   بگزار تا مقابل روے تو بگزریم

کے علاوہ کبھی بھی کچھ نہیں رہی فطوبیٰ لھم وحسن ماٰب ویرزقنی اللہ الوقت اعربھم

(بقیہ سلسلہ گزشتہ)

تورانی و ایرانی   تاجیک و خراسانی

ہم ہندی و افغانی   ہم مصری و سودانی

از نزغۂ شیطانی[1]   وز جذبۂ حیوانی

وز دانش نفسانی   وز شورش عمرانی

یونانی[2] و رومانی   افرنجی و برطانی

در سکرت و ہیمانی   در لطمۂ نادانی

در ورطۂ ظلمانی   در فتنۂ[3] و طغیانی

فی البغی و عدوان

ہاں دست دعا بکشا   از ذرۂ او ادنیٰ

اے مرضی تو ترضیٰ   وے ملت تو بیضا

فاللیل[4] لقد یغشیٰ   والکفر[5] قد استعلیٰ

ذا[6] امتک اضعفیٰ   فی سیطوۃ الاعداء

ہاں[7] رمیک لا یخطی   وسھمک[8] لا یطغیٰ

واللہ[9] ھوالاعلیٰ   والحق[10] فلا یعلیٰ

اللھم صل علیہ وسلم و بارک   (باقی آئندہ)

ا موجودہ مغربی تمدن قدیم رومن و گریک تمدن کا وارث ہے اسی کی طرف اشارہ کیا گیا۔
۲ سرکشی و نافرمانی میں مبتلا ہیں ۳ رات چھا گئی۔ ۴ کفر نے سر اٹھایا ہے۔ ۵ یہ آپ کی کمزور امت۔
۶ دشمنوں کے پنجوں میں ہے۔ ۷ آپ کا نشانہ غلط نہیں کیا جا سکتا۔ ۸ آپ کا تیر نشانہ سے ہٹ نہیں سکتا
۹ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ ۱۰ اور حق کو کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا۔ ۱۲

بہرکیف شیفتہ نادیدہ کا مکہ میں داخلہ ہوا اس دیار میں آپ کی کسی سے جان پہچان کب تھی سامنے حرم نظر آیا۔ سیدھے اسی طرف تشریف لے گئے اور ایک بے کس مسافر کی طرح خدا جانے کس کے انتظار میں وہیں کہیں کونے میں پڑ رہے۔

مکہ مکرمہ کے تیس۳۰ دن

حرم میں قریش کے لوگ عموماً اکثر ہی آتے جاتے رہتے تھے اور ہو سکتا تھا کہ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت جلد کسی سے دریافت کر کے اس آستانے تک پہنچ جاتے جس کے لئے قبیلہ غفار سے کھینچ کر وادی بطحیٰ اور وہاں سے حرم تک لائے گئے لیکن یہ طبع غیور کو گوارا نہ تھا کہ اس احسان کو جس سے زیادہ گرانبار احسان ممکن نہیں بت پرستوں کے وسیلے سے سر پر رکھا جائے۔ بخاری میں ہے۔

فالتمس النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکرہ ان یسال عنہ۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ڈھونڈھا مگر آپ کو ناپسند کرتے تھے کہ کسی سے پوچھیں۔

آپ کو یقین تھا کہ وہ مجھ سے چھپ نہیں سکتے، نگاہیں تاڑیں گی، دل پہچانے گا۔ اسی تلاش میں دن گزرتے جاتے تھے لیکن کوئی پرواہ نہیں حتیٰ کہ مقل کے دانے جو کچھ ساتھ تھے وہ بھی ان کے پاس نہیں رہے زنبیل خالی تھی۔ گرہ میں دھیلا تک نہیں تھا۔ بھوک نے حضرت ابو ذر کو بے چین

بقیہ سلسلہ گزشتہ) (چودھویں صدی مسلمانوں کی مصیبتوں کی شاید آخری صدی ہے نہ ایسی مصیبت اس سے پہلے آئی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اس کی توقع غیر تو غیر خود اپنے گھر کے لوگ اسلام اور شعائر اسلام کے ہدم و بربادی میں دنیائے اسلام کے ہر گوشہ میں منہمک نظر آتے ہیں۔ درد کی یہی داستان تھی جسے لیکر گیلانی کا فقیر دنیا کی سب سے بڑی ڈیوڑھی کے آگے حاضر ہوا تھا۔ عرض کیا گیا تھا۔

کر دیا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ استقلال کے پاؤں اس وقت ڈگمگا جاتے۔ آپ کی آن ٹوٹ جاتی، لیکن یہ سرمستی ایسی نہ تھی جو بھوک کی ترشی سے اتر جاتی۔ آپ نہایت اطمینان کے ساتھ اُٹھتے اور زمزم کی چند چلوؤں سے تھوڑی دیر کے لیے اس بھوک کو بجھا دیتے پھر اگر ستاتی تو اس سے زیادہ جواب آپ کی طرف ۳۰ دن کے عرصے میں اس اندرونی مطالبے کو کبھی نہیں دیا گیا کہ ڈول کھینچا اور چند گھونٹ حلق کے پار کر لئے گئے اور بس۔

غرض کہ اسی طرح جب صبح کا آفتاب طلوع ہوتا تھا تو حضرت ابوذر کی نگاہیں اس کی روشنی میں صرف اسی آفتاب کو تلاش کرتی تھیں۔ جس سے روحوں کی رات دن ہوتی تھی اور رات ہوتی تو اس کی اندھیریوں میں بھی آپ کی نظریں اسی تارے کو ڈھونڈتیں جس نے دنیا کے سیکڑوں بھٹکے ہوئے قافلوں کو سیدھی پگڈنڈی پر ہمیشہ کے لئے لگا دیا۔ انتظار تھا جو ختم نہیں ہو رہا تھا۔ فراق تھا جس کی جگر سوزی آناً فاناً بڑھ رہی تھی۔ بڑھتی چلی ہی جا رہی تھی۔

قریش کا ظالمانہ برتاؤ

ایک دن اسی درمیان میں آپ کو خیال گزرا کہ جس کو ڈھونڈھتا ہوں اگر وہ نہیں ملتے تو چلو! اس کے کسی غلام ہی سے پتہ پوچھیں غیرت کا تقاضہ اگر ہے تو صرف کفاروں تک محدود ہے۔ لیکن اگر ان کی جماعت کا کوئی آدمی مل جائے تو اس سے پوچھنے میں کیا مضائقہ؟

غرض یہ سوچ کر تاک میں لگے رہے۔ اتفاق سے ایک مجہول الحال شکستہ آدمی حرم میں داخل ہوا۔ چوں کہ فلاکت زدہ تھا سراغنہ قریش نے شاید

؎ مسلم و طبقات

اس کی طرف سے بے التفاقی برتی ہوگی۔

آپ نے قیاس کیا کہ اس جماعت کا جو حال بیان کیا جاتا ہے وہ اس شخص سے بہت مطابق ہے۔ اسی سے دریافت کرنا چاہیئے۔ قریب پہنچے اور پوچھا۔

این ھذا الذی تدعونہ الصابی	جس کو تم لوگ صابی کہتے ہو کہاں رہتا ہے۔

لیکن در اصل آپ کو دھوکہ ہوا وہ واقع میں کفار کے گروہ کا آدمی تھا۔ اس وحشت ناک سوال کے سنتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا، بلکہ یقین ہو گیا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کا آدمی ہے جواب تو کیا دیتا یکایک اس نے چیخ ماری۔

ھذا صابی	ارے یہ صابی ہے

قریش اس وقت مسلمانوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے، ہر شخص گوش بر آواز رہتا تھا اس کی آواز بجلی بن کر کافروں میں کوندی۔ پھر جو کچھ ہوا وہ حضرت ابوذر رضؓ ہی کی زبانی سنئے۔

فمال اھل الوادی بکل مدرۃ وعظم فخررت مغشیا علیّ (طبقات صحیح مسلم)	ڈھیلے ہڈیاں اُٹھائے مکہ والے مجھ پر ٹوٹ پڑے (اور اس قدر مارا) کہ میں چکرا کر گر پڑا۔

محبت کی امتحان گاہ میں غفار کا ایک رئیس و بہادر سردار لبصد مظلومی وبیکسی خدا کے سامنے حرم میں بت پوجنے والوں کی لاتوں سے روندا جا رہا تھا لیکن عشق کے فرشتے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل کو تھامے ہوئے تھے، ہوش آیا۔ خدا جانے کس وقت آیا اور کتنے مظالم کے بعد آیا۔

مگر جب آیا تو آشفتہ سری بحال تھی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ اور زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ خود فرماتے تھے اور نہایت شگفتگی سے فرماتے ہیں۔

فارتفعت حین ارتفعت کانی نصب احمر فاتیت زمزم فشربت ماءھا و غسلت عنی الدماء (طبقات وغیرہ)	پھر میں اٹھا جس وقت اٹھا گویا میں ایک سرخ بت تھا (یعنی خون میں نہائے ہوئے تھے) اسی وقت زمزم پر آیا پانی پیا اور خون دھویا۔

بدن سے خون نکل رہا ہے۔ کپڑے لہو میں لت پت ہو گئے ہیں لیکن نہ کسی کی شکایت ہے اور نہ گلہ۔ نہایت اطمینان سے زمزم پر آئے۔ پانی پیا۔ خون دھویا۔ ارادہ کی مضبوطی میں کوئی تغیر نہیں کہ ہاں خیال ہی اور تھا۔

حافظ چو رہ بکنگرۂ کاخ وصل نیست   با خاک آستانۂ ایں در بسر بریم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وضعداری کا ایک وہ زمانہ تھا کہ ماموں کی معمولی سی شکایت پر آپ نے ہمیشہ کے لئے ان سے قطع تعلق کر لیا اور آج محبت کی کرشمہ سازیوں کا نظارہ اسی آسمان کے نیچے کیجئے کہ پتھر مارے جاتے ہیں، ہڈیاں پڑتی ہیں، لہو بہتا ہے، دھکے دئے جاتے ہیں۔ لیکن پاؤں نہیں ہلتا۔ حرم کے دروازے سے "بندارم توی" کی امید میں نگاہ انتظار نہیں ہٹتی احساس تک نہیں، کیا ہوا اور کیا گذر رہی۔

اولئك يجزون الغرفة بما صبروا ويلقون فيها تحية وسلاما	یہی لوگ ہیں جن کو "غرفہ" کے ساتھ (جنت میں) بدلہ دیا جائے گا اور اس میں پائیں گے سلام و تحیۃ۔

کہا جاتا ہے کہ مجاہدات کی کوئی اصل نہیں حتیٰ کہ میں نے بعضوں سے یہ بھی سنا کہ صلوٰۃ خمسہ میں خشوع وخضوع کی بھی ضرورت نہیں اور دلیل بیان کی جاتی ہے کہ صحابہ سے یہ باتیں منقول نہیں۔

حالانکہ اولاً یہ سراسر غلط ہے۔ آثار و حدیث سے ہم قطع نظر بھی کریں تو قرآن کی یہ آیتیں

والذین یبیتون لربھم سجدا و قیاما۔

جو (سر) ٹیکے اور کھڑے کھڑے رات گزارتے ہیں اپنے پروردگار کے لئے۔

کس کا حق ہے اگر صحابہ اس کے مصداق نہیں تھے تو اور کون دعویٰ کر سکتا ہے یا مثلاً۔

انھم کانوا قبل ذلك محسنین کانوا قلیلا من اللیل ما یھجعون وبالاسحار ھم یستغفرون وفی اموالھم حق للسائل والمحروم۔

اس سے پہلے یہ اپنے اعمال کو خوبصورت بنانے والے تھے، بہت تھوڑی رات سویا کرتے تھے اور پچھلے کو اُٹھ کر گناہوں کی بخشش طلب کیا کرتے تھے، ان کے مالوں میں مانگنے والے اور محروم کے حق تھے۔

"والذین جاھدوا فینا" کے مجاہدہ کی یہ تفصیل الٰہی نہیں تو اور کیا ہے۔ صحیح ہے کہ بلا خضوع کے بھی نماز کا بوجھ گردن سے ٹل جاتا ہے لیکن کس نے کہا کہ آخرت کی مصیبت بھی ایسی نمازوں سے ٹلنے والی ہے۔ حالانکہ عذاب دینے والا تو فرماتا ہے۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خاشعون

کامیاب ہوئے وہ مومنین جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

تو کیا اس فلاح کو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نہیں ڈھونڈھتے تھے۔

اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے (حالانکہ نہیں مانا جاسکتا) کہ صحابہ میں مجاہدات کا رواج نہ تھا تو حق یہ ہے کہ جن سر بازوں نے اسلام سے پہلے ہی اپنے آپ کو اس طرح مٹا دیا تھا جس کی ایک ادنیٰ نظیر یہی واقعہ ہے اور ابھی حضرت ابوذر کی سوانح میں آنے والے ہیں ان کے لئے کسی دوسرے "مجاہدہ" و "ریاضت" کی شاید ضرورت بھی نہ تھی۔

لیکن جو ابتدائے اسلام سے اس وقت تک "سبیل اللہ" کے کسی شعبہ میں آزمایا نہیں گیا۔ کیونکر ان دعوؤں کو زبان تک لاسکتا ہے جس کو میں سنتا ہوں اور ان کی عقل پر عقیدۃً اور اپنی عقل پر عملاً ہنستا ہوں۔

بہرحال تیس دن کی اس طویل مدت میں علاوہ اس واقعہ کے اور کیا کیا حوادث وقوع پذیر ہوئے مجھے اس کی تفصیل زیادہ نہ معلوم ہوسکی اور جو کچھ ہیں بھی ان میں ظاہراً سخت تعارض ہے حتیٰ کہ علامہ قرطبی کو مجبور ہو کر لکھنا پڑا۔

وفی التطبیق بین الروایتین تکلف شدید لہ	دونوں روایتوں میں تطبیق دینے میں سخت تکلف ہے

حافظ ابن حجر کے مشورہ سے یا روایات کے تتبع سے جس نتیجہ تک میں پہنچا ہوں بہ ترتیب ذیل اسے درج کرتا ہوں۔

پہلا واقعہ

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے اس حادثہ کے بعد بھی حرم محترم کو نہیں چھوڑا۔ جو دھن تھی وہ بندھی رہی ایسا معلوم ہوتا ہے انھیں دونوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ادھر گزر ہوا اگرچہ آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی لیکن قسمت کی بہتری میں اس وقت بھی کیا کلام

لہ فتح الباری جزء ۲۵ مطبوعہ انصاری صفحہ ۱۲

ہو سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ایک شکستہ حال مسافر پڑا ہوا ہے آپ کو رحم آیا قریب آکر دریافت فرمایا۔

ممن الرجل | کہاں کے آدمی ہو

حضرت ابوذر نے کہا۔

من غِفار | قبیلہ غفار سے ہوں۔

فرمایا کہ

قم الی منزلک | اپنی فرودگاہ کو تشریف لے چلیں۔

مقصود یہ تھا کہ میرے گھر چلیں۔ مسجد میں تکلیف ہوگی۔

حضرت ابوذرؓ چونکہ دھوکہ اٹھا چکے تھے اظہار مدعا تو مناسب نہ جانا۔ اُٹھے اور چپ چاپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گھر تک پہنچے خود فرماتے ہیں کہ نہ اُنھوں نے مجھ سے کچھ پوچھا اور نہ میں نے کہا۔

صبح ہوئی اور سیدھے حرم پہنچے اپنی زنبیل اور مشک رکھ کر مکہ کے کوچہ و بازار میں شام تک مصروف جستجو رہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مغرب کے بعد پھر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام پھر تشریف لائے دیکھا کہ مسافر اب تک موجود ہے آپ نے پھر فرمایا۔

اما آن للرجل ان یعرف منزلہ | کیا آدمی کیلئے اپنی فرودگاہ تک جانے کا وقت نہیں آیا!

آپ اُٹھے اور بجنسہ اسی خاموشی کے ساتھ آج کی رات بھی گزر گئی ایک دوسرے کو کیا معلوم کہ دونوں ایک ہی فتراک کے نخچیر ہیں۔

حضرت ابوذر پھر صبح ہوتے ہی حرم میں آدھمکے اور دن بھر گھومتے رہے لیکن قسمت چلا رہی تھی کہ دو جا اور وہیں حرم میں بیٹھ دیکھ! کہ پھر کیا ہوتا ہے"۔

دوسرا واقعہ یا دولت بیدار

قیاس کا مقتضیٰ ہے کہ آج کسی خاص ضرورت نے حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کو حرم کی طرف آنے کی فرصت نہ دی۔ حضرت ابو ذرؓ نے انتظار کیا ہوگا، لیکن جب مایوس ہوئے تو وہیں کہیں پڑ رہے سونے کے ارادہ سے لیٹے مگر نیند نہیں آتی تھی بے چین آج زیادہ تھے حتیٰ کہ جب رات بھیگ گئی اور شہر میں سناٹا ہوگیا لوگ سو پڑ رہے۔ اس وقت رحمت سماویہ جھکی اور حضرت ابو ذرؓ کے ٹوٹے ہوئے دل کو جو واقع میں نہیں ٹوٹا تھا اس نے اپنے آغوش میں اُٹھا لیا۔ مسافروں کے ہنگامہ آہ و بکا، بچوں کی نالہ و زاری نے جس مبتدار کو غفاری سڑک پر پیدا کر کے حضرت ابو ذرؓ کی تمامتر غارتگریوں کو کاروانوں سے پھیر کر خود ان کی آسائش و لذائذ، ارمان اور حوصلوں کے قافلوں کی طرف متوجہ کر دیا تھا خدا جانے کتنی دراز مدت کے بعد اس کی خبر آج نکلتی ہے، اس رات کے منظر کو خود آپ ہی کی زبانی سننا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔

فبینما اهل مکة فی لیلة قمراء اضحیان اذ ضرب الله اصمختهم فما یطوف بالبیت احد منهم غیر امرأتین

(صحیح مسلم و طبقات)

چاندنی رات خوب روشن تھی کہ ٹھیک جب اللہ تعالیٰ نے (مکہ والوں کو) تھپکیاں دے کر سلا دیا (سناٹا ساہوگیا تھا) حتیٰ کہ بیت اللہ کے طواف کرنے والوں میں بھی اس وقت دو عورتوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

یہ عورتیں کعبے کے گرد گھوم گھوم کر "اساف و نائلہ"[1] سے کچھ مانگ رہی تھیں خدا جانے

---

[1] "اساف و نائلہ" جاہلیت کے دو مشہور بت ہیں۔ مشہور تھا کہ دراصل یہ دونوں پہلے آدمی تھے، اساف مرد تھا اور نائلہ عورت تھی دونوں قبیلہ جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ (باقی آئندہ)

حضرت ابو ذرؓ کو کیا سوجھی کہ جس کونے میں پڑے ہوئے تھے وہیں سے آواز دی

انکحا احدھما الاخر | ایک کا دوسرے سے نکاح کردو

مقصد یہ تھا کہ ارے ان بتوں سے کیا مانگتی ہو۔ بزعم تم لوگوں کے وہ خود فراق میں تڑپ رہے ہیں۔ ہاں اگر دونوں کا بیاہ کردوگی تو ممکن ہے کہ تمھاری سنیں۔

بقیہ سلسلہ گزشتہ) یمن ان کا وطن تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اساف نائلہ کے حسن پر فریفتہ ہوگیا نائلہ نے بھی جب اس کے حسن و جمال کو دیکھا تو دل دے بیٹھی۔ صورت حال دونوں کو یمن میں ملنے سے مانع تھی۔ آخر مکہ معظمہ حج کے حیلے سے آئے' جاہل عربوں کا عقیدہ تھا کہ ایک دن دونوں کو حرم میں تنہائی مل گئی اور وہیں امر شنیع کے مرتکب ہوئے اس پر خدا کا غضب نازل ہوا دونوں پتھر کے ہوگئے۔ عبرت کے لئے لوگوں نے ایک کو صفا پہاڑ پر اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر رکھ دیا تھا۔ عمر بن لحی خزاعی نے جب عرب میں بت پرستی پھیلائی تو خاص کر ان دونوں کو اس نے بہت اہمیت دی قصی نے اپنے زمانہ میں ان کو پہاڑوں سے اتار کر ایک کو کعبہ سے لگا دیا اور دوسرے کو چاہ زمزم پر نصب کر دیا تھا۔ زمانے سے عرب جاہل ان کی پرستش کرتے تھے آخر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ان سے خدا کے گھر کو پاک کیا۔ ممکن ہے کہ عربوں کے اس بیہودہ فسانہ پر تعجب ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ بت پرستوں کے ہاں یہ باتیں عام ہیں ہندوؤں میں بھی اس قسم کے قصے اکثر پائے جاتے ہیں مثلاً رامائن میں اہلیا اور اندر کا واقعہ قریب قریب اسی کے ہے' کہا جاتا ہے کہ گوتم رشی بڑا عالم تھا اس سے اندر دیوتا وید پڑھنے آتا تھا اس کی بیوی اہلیا کو دیکھ کر عاشق ہوگیا۔ گوتم نہانے گیا تھا کہ اندر نے اس سے بدفعلی کی گوتم نے آکر دیکھا تو بد دعا دی۔ اندر کے جسم میں ہزار بھگ (علامت تانیث) پیدا ہوگئی اور اہلیا پتھر کی ہوگئی!

اس طنز آمیز آواز کو خاص کعبہ سے سن کر عورتیں رکیں اور چونکیں مگر "یا اساف یا نائلہ" کی آواز بلند ہوتی ہی رہی آخر جب طواف کرتے کرتے حضرت ابوذر کے قریب پہنچیں آپ نے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں اور انھیں سویا ہوا دیکھ کر اور کچھ اس ڈر سے بھی کہ مرد ہے اگر چھیڑتی ہوں تو ممکن ہے کہ بری طرح خبر لے صرف گالیاں دیتیں اور

لو کان ھھنا من انفارنا احد۔	کاش میری جماعت کا کوئی آدمی یہاں ہوتا تو اس کی خبر لیتا۔

بڑبڑاتی ہوئی روانہ ہوگئیں دونوں آپس میں یہی ذکر کرتی ہوئیں ایک پہاڑی پر چڑھیں اس سے اتر رہی تھیں کہ سامنے سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ یہ عورتیں کسی کو نہیں پہچانتی تھیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک ان کی گفتگو کے چند سخت الفاظ پہنچ چکے تھے آپ نے بڑھ کر دریافت فرمایا

مالکما۔	تم دونوں کا کیا حال ہے (کیا واقعہ ہوا)

کیا کہوں صابی[1] کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا پھر اس نے کیا کہا۔

کیا کہا زبان تک لانے کی بات ہے۔ بس بڑی بات بک رہا تھا۔ اس گفتگو کے بعد وہ تو گھر کی طرف روانہ ہوئیں۔ آپؐ اور حضرت صدیق دونوں کعبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

---

[1] کفار قریش مسلمانوں کو اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صابی کہا کرتے تھے یعنی دین حق سے پھرا ہوا۔ ۱۲

حضرت ابوذرؓ کی نیند عورتوں کی اس ظرافت سے اور بھی اُچٹ گئی تھی چپ چاپ ایک گوشے میں منتظر تھے کہ دیکھیں یہ عورتیں کیا گل کھلاتی ہیں کہ یکایک سامنے سے دو جسم متحرک نظر آئے۔

حضرت ابوذرؓ کی نگاہ جم گئی پھر مجھے معلوم نہیں کہ کب تک جمی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف بھی کیا۔ حجر اسود کو بوسے بھی دئے۔ نمازیں بھی پڑھیں۔ لیکن کچھ خبر نہیں کہ اس وقت ابوذرؓ کی ششدر و حیران آنکھوں نے کیا دیکھا، دماغ نے کیا سمجھا البتہ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو نیاز عقیدت کا ایک پیکر مجسم سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا تھا۔

السلام علیکم یا رسولَ اللہ۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ فرما کر پوچھا۔

ممن انت	تم کس قبیلے کے آدمی ہو

حضرت ابوذر

من غِفار	یعنی قبیلہ غفار سے ہوں

یہ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر پکڑ لیا۔

رائیں مختلف ہیں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس انتساب کو ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ خود حضرت ابوذرؓ سے اس کی شرح میں مروی ہے۔

قلت فی نفسی کرہ انی انتسبتُ الی غِفار (طبقات)	میں نے اپنے دل میں کہا کہ شاید غفار کی طرف میرے انتساب کو آپنے ناپسند فرمایا۔

ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ سُن کر متعجب ہوئے اور

یہ فعل محض اظہار تعجب کے لیئے تھا۔ طبقات کی ایک دوسری روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عجب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم یقطعون الطریق فجعل النبی صلعم یرفع بصرہ فیہ ویصوبہ تعجبا من ذالك لما كان يعلم منھم[۱] (ص ۱۶۴ ج ۴)	آپ کو تعجب ہوا کہ غفار تو راہزنی کرتے ہیں (ان میں ایسا شخص کیونکر پیدا ہو سکتا ہے) اس کے بعد آپ نے پھر متعجب ہو کر اپنی نگاہ ان پر ڈالی اور کبھی جھک کر دیکھتے کیونکہ غفاریوں کے حالات سے واقف تھے

اس صورت میں جملہ

فاھوی بیدہ الی جبھتہ	دست مبارک کو اپنی پیشانی پر رکھ کر

سے مقصود یہ ہوگا کہ آپ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے بغور ان کو دیکھنے لگے "واللہ اعلم" ایک صاحب دل کا خیال ہے کہ حضور نے نظر اول ہی میں آپ کو پہچان لیا تھا لیکن حسرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ابھی مراحل سلوک میں اس غفاری فرہاد کو شب ہجر کا ایک بے ستون کاٹنا اور بھی باقی ہے "واللہ اعلم" اور کچھ یونہی ہوا بھی کہ اس رات میں "اسلام" و "ایمان" کا کوئی ذکر نہیں آیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصداً یہ معاملہ ٹال دیا گیا۔ طبقات میں ہے کہ حضرت ابو ذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے کہ دست مبارک پر کلمہ پڑھیں لیکن حضرت صدیقؓ نے ان کو اپنی طرف متوجہ کر لیا خود ان کا بیان ہے۔

---

[۱] طبقات میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا ان اللہ یھدی من یشاء خدا جس کو چاہے ہدایت کرے۔

فذهبت اخذ بيده فقدعني صاحبه وكان اعلم به مني۔ (صفحہ ۱۶۲ ج ۴) —

میں چلا کہ حضور کا دست مبارک پکڑ لوں لیکن ان کے ساتھی نے مجھے روک لیا۔ وہ بہ نسبت میرے حضور کی طبیعت سے زیادہ واقف تھے۔

بادی النظر میں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چوں کہ ابھی تک ان سے مطمئن نہ تھے اس لیئے ایسا کیا۔ لیکن کسی اور پہلو کو پیش نظر رکھ کر اگر یہ کہدیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے سے ایسا کیا گیا کہ طے منازل کی ایک سیڑھی یہ بھی تھی تو کیا مضائقہ ہے

حضرت ابو بکرؓ کی ضیافت

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ان سے پوچھا، تم یہاں کب سے[1] ہو، آپ نے فرمایا تقریباً تیس راتیں یہاں گزر گئیں حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ تمھیں کھلاتا کون تھا۔

چونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں صرف سونے کے لئے کچھ رات گزرتے ہوئے دو دن سے جایا کرتے تھے اور آپس میں کسی قسم کی گفتگو بھی نہیں ہوئی تھی اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں کھانے کی مہمان داری نہیں ہوئی تھی بہر کیف حضرت ابو ذر نے جواب میں فرمایا کہ ایک زمانہ سے میری گزر صرف زمزم کے پانی پر ہے اور اس پانی کی ایک عجیب خاصیت بیان کی فرماتے ہیں۔

---

[1] صاحب دل کا خیال ہے کہ یہ کیوں نہیں پوچھا کہ یہاں کس لئے آئے ہو۔ یہ کہا کہ کب سے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی مقصد کو اس وقت درمیان میں لانا ہی منظور نہیں ع

درنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

فسمنت حتی تکسرت عکن بطنی فما وجدت علی کبدی سخفۃ جوع۔ (مسلم) | میں موٹا ہو گیا حتیٰ کہ پیٹ کی شکن ٹنک گئی (زیادہ فربہی میں ایسا ہو جاتا ہے) حتیٰ کہ اپنے جگر پر میں بھوک کے ضعف کا کوئی اثر نہیں پاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا۔

انہا مبارکۃ انہا طعام طعم | اس میں برکت دی گئی ہے اور سیر کرنے والی غذا ہے

حضرت صدیق رضؓ نے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "مجھے اجازت دیجئے کہ میں آج کی رات انھیں اپنا مہمان بناؤں" آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت صدیق رضؓ ان کو ساتھ لئے ہوئے گھر لائے دروازہ کھولا۔ اور طائف کی کچھ کشمشیں ان کے حوالے کیں۔ حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا کھانا تھا جو حضرت ابوبکر رضؓ کے گھر میں مجھے نصیب ہوا۔[1]

اسلام لانا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح ہوتے ہی پھر حرم میں آگئے جب رات ہوئی تو آج حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ لے کر گھر پہنچے مگر یہ اسی طرح ساکت و صامت ہیں۔ آخر حضرت علی رضؓ سے نہ رہا گیا اور فرمایا۔

ما الذی اقدمک | آخر تم کو کیا چیز یہاں لائی کس ضرورت سے آئے ہو

گزشتہ رات باوجود اور سب کچھ ہو جانے کے چوں کہ ان کے لئے کچھ نہیں ہوا تھا اس لئے دل بھرا ہوا تھا، پیمانۂ صبر چھلک پڑا، بولے کہ اگر عہد کرتے ہو تو میں بتاؤں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عہد کیا" آپ نے کہا "اگر تم میری رہنمائی کر سکو، جب کہوں گا"[2] انھوں نے حتی الوسع اس کا بھی وعدہ کیا۔

---

[1] صحیح مسلم ۱۲ [2] از بخاری ۱۲

آپ نے فرمایا "کہ میں نے سنا تھا کہ مکہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جو کہتا ہے کہ میں نبی ہوں۔ یہ سن کر میں نے اپنے بھائی کو دریافت حال کے لئے بھیجا، لیکن اس نے کچھ تشفی بخش خبر مجھے نہیں سنائی۔ آخر میں خود اس شخص سے ملنے کے لئے آیا ہوں"[۱]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خدا جانے کیا کیا کہا[۲]۔ تاہم بخاری میں اس قدر موجود ہے۔

قال فانہ حق وھو رسول اللہ فاذا اصبحت فاتبعنی فانی ان رایت شیئاً اخاف علیک قمت کانی اریق الماء فان مضیت فاتبعنی حتی تدخل مدخلی۔ (بخاری)

یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر ہیں جب صبح ہو تو تم میرے ساتھ چلو راستے میں اگر ایسا واقعہ نظر آئے (مثلاً کوئی کافر سامنے آجائے) کہ جس میں مجھے خطرہ معلوم ہو تو میں بیٹھ جاؤں گا گویا پیشاب کر رہا ہوں (تم چلے چلنا) پھر جدھر میں جاؤں چلے جانا حتیٰ کہ جہاں داخل ہو جاؤں تم بھی وہاں آجانا۔

صبح ہوئی دونوں ساتھ چلے، آگے آگے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پیچھے پیچھے ان کے حضرت ابوذر رض اس آستانے کی طرف جا رہے تھے جس کی غلامی کاتب ازل نے ان کی پیشانی میں لکھدی تھی۔ راستہ میں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ حتیٰ کہ وہ دروازہ سامنے آگیا۔ حضرت علی رض اور ان کے ساتھ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں داخل ہوگئے[۳]۔ ایک چبوترے پر سرور کائنات[۴]

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ۱۶۵ ج ۱۲

[۲] طبقات کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ عقیدت کو ظاہر کیا ۱۲

[۳] بخاری ۱۲ [۴] طبقات ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے طلعت قدوسی پر ایک چادر ڈالے ہوئے آرام فرمارہے تھے، حضرت علیؓ نے اشارہ کیا آپ بیتابانہ دوڑ پڑے اور سلام عرض کیا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی فرمایا وعلیکم السلام حضرت ابوذرؓ رات کے واقعہ سے متاثر ہو چکے تھے۔ جانتے تھے کہ کہیں معاملہ پھر نہ ٹل جائے، قبل اس کے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ فرمائیں آپ نے فرمایا "کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں وہ مجھے سنائیے آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا۔" خدا فرماتا ہے، حضرت ابوذرؓ نے فرمایا تو وہی سنائیے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی ایک سورۃ (نام پر اطلاع نہ ہو سکی) تلاوت فرمائی۔ ادھر سورۃ ختم ہوئی اور اُدھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله[لہ]

کے ساتھ ایک چیخ ماری اور جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ نہ دلیل تھی اور نہ حجت صرف حضرت ابوذرؓ کی شکوۃ سینہ میں ایک قندیل تھی جس کے اندر ایک سماوی روغن بھرا ہوا تھا۔ قریب تھا کہ بھبھک اُٹھے، آخر بھڑکا کہ پھر کبھی نہ بجھا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے اندر جن کی تعداد کرہ زمین پر کل چار تھی ایک کا اور اضافہ[لہ] ہو گیا۔

تھوڑی دیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے اسلام کی خوشخبری دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے جو غور کیا تو پہچان کر فرمایا۔

الیس ضیفی بالامس	کیا وہی شخص نہیں ہے جو کل میرے مہمان تھے

لہ طبقات ۱۲   لہ طبقات ۱۲

اور جھک کر فرمایا۔

انطلق معی	میرے ساتھ چلئے۔

ایک زمانہ گزر چکا تھا کہ حضرت ابو ذرؓ نے اپنا گھر چھوڑا تھا کپڑے بالکل میلے ہو گئے تھے اس وقت حضرت صدیقؓ نے دو کپڑے رنگین وخوبصورت نکال کر دئے۔ آپ نے غسل کیا کپڑے بدلے اور جب تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر مقیم رہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں قیام کا زمانہ

آثار وروایات میں اس کی تصریح تو نہیں ملی کہ آپ کب تک حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت خانہ پر فروکش رہے۔ لیکن قرائن اور بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اس عرصہ میں مکہ والوں سے آپ کی ملاقات ہو چکی تھی۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ آپ قبیلہ غفار کے کوئی ممتاز آدمی ہیں مثلاً ایک واقعہ بھی ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حالاں کہ اس زمانہ میں مشرف باسلام نہ تھے) آپ کو جانتے تھے کفار کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا۔

الستم تعلمون انہ من غفار طریق تجارکم الی الشام	کیا تم نہیں جانتے ہو کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جو تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ ہے

بہرکیف اگر تمام قریش سے آپ کی شناسائی نہیں ہوئی تھی تو خاندان عبد المطلب میں لوگ آپ کو ضرور جاننے لگے تھے۔ آپ کے زیادہ شہرت کی وجہ میرے نزدیک دراصل وہ واقعہ ہے جس کے راوی صرف محمد بن سعد صاحب طبقات ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ کے غفاری ہونے کا علم حضرت عباسؓ کو بھی

اسی کے بعد ہوا ہو۔ وہ راوی ہیں کہ جن ایام میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مہمان تھے اسی زمانہ میں آپ سیر کرتے ہوئے حرم میں آئے دیکھا کہ پھر ایک عورت طواف کر رہی ہے اور گھوم کر نہایت فصاحت و بلاغت و عاجزی و خاکساری کے ساتھ دعائیں کر رہی ہے (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دعا ابھی تک مبہم تھی۔ اس کا پتہ نہیں چلتا تھا کہ کس کو مخاطب کر کے مانگ رہی ہے حرم چونکہ بیت اللہ تھا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے سمجھا ہوگا کہ خدا کو پکار رہی ہے اور اس پر خوش ہوئے ہوں گے لیکن جب ختم کر چکی تو اس کے بعد پھر وہی۔

یا اساف یا نائلہ	اے اساف اے نائلہ

چیخنے لگی۔ آپ سنتے ہی جھلا اُٹھے اور بے ساختہ آپ کی زبان سے وہی جملہ

انکحی احدھما صاحبہ	ایک کا دوسرے سے نکاح کر دے۔

نکل پڑا۔ چونکہ دن کا وقت تھا۔ عورت بلا خوف و خطر شور مچاتی ہوئی آپ کے ساتھ لپٹ پڑی اور چلانا شروع کیا۔

انت صابی	تو صابی ہے

کفار قریش کی ایک جماعت وہیں موجود تھی انت صابی کی آواز سنتے ہی حسب عادت دوڑ پڑے اور جس طرح پہلے مارا تھا مارنا شروع کیا۔ اتفاق سے بنی بکر کے قبیلہ میں اس کی خبر پہنچی کہ قریش ایک بیکس مسافر کو بری طرح مار رہے ہیں۔ چونکہ ان دونوں قبیلوں میں ایک زمانے سے رقیبانہ تعلق تھا فوراً کچھ جوان آئے، حرم پہنچے اور نہایت حقارت کے ساتھ قریش کو ڈانٹا کہ واہ! تمہارے قبیلے میں جو "صابی" ہیں ان کو تو

نہیں مارتے ایک بیچارہ مسافر آگیا بس سارا نزلہ اسی کی طرف رجوع ہوگیا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا یہ کہتے ہوئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان ظالموں سے نجات دلائی، آپ اسی صورت و حالت کے ساتھ دربار نبوی صلی اللہ علی صاحبہا میں حاضر ہوئے اور فرمایا۔

یارسول اللہ اما قریش فلا ادعھم حتیٰ اثار منھم ضربونی۔	یارسول اللہ قریش سے جب تک بدلہ نہیں لوں گا انھیں نہیں چھوڑ سکتا انھوں نے مجھے مارا ہے۔

اسلام کی دعوت پر سرفرازی

مکہ معظمہ میں اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد پانچ تھی جن میں پانچویں حضرت ابوذرؓ تھے۔ ایسے ضعف کے وقت میں آپ کی بہادرانہ شجاعت مردانہ ہمت کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اسی وقت خیال گزرا کہ جس عام "تبلیغ" کا ارادہ کیا گیا ہے اس کا وقت آپہنچا ہے اسی کے بعد سب سے پہلے پہل اسلام میں جس عمامہ پر اس جلیل عہدہ کا طرہ نصب کیا گیا وہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بندھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

انی وجھت الی ارض ذات نخل ولا احسبھا الا یثرب فھل انت مبلّغ عنی قومك عسی اللہ ان ینفعھم بك	میں کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہوں اور میں اسے مدینہ کے علاوہ اور کسی شہر کو خیال نہیں کرتا تو کیا تم اپنی قوم کو میری جانب تبلیغ کرسکتے ہو ممکن ہے انھیں خدا تم سے نفع پہنچائے

ويأجرك فيهم -	اور تمہیں اجر دے

جس آستانے پر اتنی تگ و دو کے بعد پہنچے تھے انصاف کر سکتے ہو کہ اس کی دوری ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا ہو سکتی تھی لیکن کیا کرتے جب کہ

فکر خود ورائے خود، در عالم رندی نیست کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

آخر یہی ہوا کہ آپ دعوت و تبلیغ کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن پھر بھی دبی ہوئی زبان سے فرمایا۔

انی منصرف الی اهلی وناظر متی یؤمر بالقتال فالحق بك	(اچھا) میں اپنے گھر جاتا ہوں (مگر) انتظار کرتا رہونگا کہ جنگ کا کب حکم دیا جاتا ہے پس اسی وقت آپ سے ملونگا

مقصود یہ تھا کہ فراق کی گھڑیوں کو کسی خاص زمانہ تک محدود کر دیا جائے، کم از کم اسی امید پر جیوں گا اس کے بعد یکایک آپ کو خیال گزرا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کی ایذاؤں کو دیکھ کر میرے لئے یہ حکم تو صادر نہیں فرمایا۔ کہ اس ترکیب سے میں مکہ معظمہ کو چھوڑ دوں گا۔ معاً اس خیال کے آتے ہی تجاہل عارفانہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

فانی اری قومك علیك جمیعاً۔	اور آپ کی قوم چوں کہ متفق ہو کر آپ کے درپے ایذا ہے اس لئے بھی میرا جانا ہی مناسب ہے

اور واقعہ بھی یہی تھا کہ جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے روانہ کرنے سے تبلیغ وارشاد کا کام لینا منظور تھا ساتھ ہی۔ یہ بھی مدنظر تھا کہ ابوذر رضؓ ایک سخت آدمی ہیں، خواہ مخواہ اسی طرح دشمنان اسلام کے ہاتھ ان کو تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ جس کی چند نظیریں گذر چکی ہیں ان کے اس سوال کو سن کر ارشاد فرمایا۔

اصبت | سچ کہتے ہو (یعنی مجھے یہ فائدہ بھی مقصود ہے)

یہ سنتے ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، غیرت کا خون پیشانی پر جوش مارنے لگا۔ کفار قریش پر آگ ہو گئے۔ جوش و خروش میں اس وقت آپ کے یہ الفاظ تھے

لا ارجع حتی اصرخ باسلام فی المسجد۔ | میں نہیں جا سکتا جب تک (کلمہ) اسلام کے ساتھ مسجد حرم میں جا کر نہ چیخوں۔

حتیٰ کہ غیظ میں آکر قسم کھا بیٹھے بخاری کا جملہ ہے۔

والذی نفسی بیدہ لا صرخن بہا بین ظہرانیہم | قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان کافروں کے درمیان میں جا کر چیخوں گا

یہ کہتے ہوئے سیدھے مسجد حرم میں داخل ہوئے قریش کا مجمع موجود تھا ٹھیک ان کے درمیان گھس کر نہایت اونچی آواز میں۔

اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ | میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

کا نعرہ بلند کیا۔ قریش میں اس کے سننے کی کب تاب تھی، صبوٴت، صبوٴت کہتے ہوئے ان پر جھک پڑے اور جی کھول کر مارنا شروع کیا۔ مگر ان کی زبان پر بدستور کلمۂ شہادت جاری تھا۔ لات، گھونسے، ڈھیلے، لکڑیاں پڑ رہی تھیں لیکن کوئی پرواہ نہیں کہ یہاں صرف دکھانا یہی تھا کہ قریشیوں کے ان زنانہ حرکات سے ابوذر کا دل کبھی نہیں کانپ سکتا ہر بُن مو کی زبان حال سے آواز آرہی تھی۔

کن رہا تیرے کہ دارم ذوق پیکانے دگر

خدا جانے اس مار پیٹ کا سلسلہ کب تک جاری رہا مگر حسن اتفاق سے

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادھر گزر ہوا۔ آپ نے قریش کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"ارے کیا کرتے ہو! انھیں پہچانتے ہو یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جدھر سے تمھارے شامی تاجروں کا راستہ ہے" چونکہ حضرت عباس رضؓ قبیلہ کے مقتدر لوگوں میں سے تھے، مکہ والے آپ کا خیال کرتے تھے لوگوں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت ابوذر غفاری اُٹھے خوش تھے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے شک کا جواب میں نے عملاً دے دیا ہے، مگر پھر بھی دل کو تسلی نہیں ہوتی تھی بخاری میں ہے کہ دوسرے دن اسی طرح پھر حرم پہنچے اور کلمہ شہادت کو بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ قریش اس وقت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے خیال سے باز آئے تھے آج پھر وہی معاملہ دیکھ کر ٹوٹ پڑے اور مارنا شروع کیا۔ حضرت عباس رضؓ کو خدشہ لگا ہوا تھا آئے تو کل ہی کا واقعہ پیش نظر تھا پھر آپ نے لوگوں کو سمجھایا۔ فرمایا کہ

کیا تمھارا ارادہ ہے کہ قریش کے قافلے لوٹ لئے جائیں" آخر کیا کرتے ہو"

بدستور سابق آپ کو دیکھ کر کفار رک گئے۔ بہرکیف جب حضرت ابوذر نے اچھی طرح عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن اقدس پر ثابت کردیا کہ ابوذر رضؓ اس لئے نہیں جاتا کہ وہ مکہ والوں کے مظالم سے ڈر گیا ہے بلکہ صرف اس لئے اس آستانے کو چھوڑتا ہے جس کا چھوڑنا اسے کسی طرح منظور نہیں کہ حضور کے ارشاد کی تعمیل اور خدا کے دین کی اشاعت ونشر کے اہم فریضہ کی انجام دہی اس کا مطمح نظر ہے۔

اس کے بعد آپ مکہ معظمہ سے بصد حسرت ویاس رخصت ہوئے۔

مکہ معظمہ سے روانگی اور دعوت کی ابتدا

میں نے بہت تلاش کیا کہ دیار یار سے الگ ہونے والے مسافر کا حال اس وقت کیا تھا۔ لیکن آثار وکتب سے مایوسانہ جواب ملا۔ بچھڑنے والے اپنے دل پر ہاتھ رکھیں اور جو کچھ آج سے تیرہ سو برس پیشتر مکہ کے کسی وادی میں ایک گھائل دل پر گزر رہا تھا اس کا اندازہ کریں چلے جاتے تھے اور تبلیغ کا خیال ساتھ تھا۔ جس مقام میں آپ کے بھائی اور والدہ فروکش تھیں پہنچے حضرت انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ منتظر تھے نہایت گرم جوشی سے ملے اور پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟

بولے اور کیا اسلمت وصدقت مسلمان ہوگیا اور (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کی۔ حضرت انیس رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی وہ نور مکہ ہی میں چمک چکا تھا دبائے بیٹھے تھے یہ سنتے ہی فرمایا

مالی رغبۃ عن دینک فانی قد اسلمت وصدقت	مجھے آپ کے دین سے انکار نہیں اور میں بھی مسلمان ہوا (محمد صلی اللہ علیہ سلم کی) تصدیق کی

حضرت ابو ذر رضؓ کے تبلیغی مہم کی یہ پہلی کامیابی تھی۔ جو کچھ مسرت ہوئی ہوگی وہ ان کا دل جانتا تھا یا وہ جان سکتے ہیں جنھوں نے کبھی کسی بھٹکے ہوئے گمراہ انسان کو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہو اور کامیاب ہوئے ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے حضرت انیس رضؓ کے سامنے اس عہد کا بھی ذکر کیا جو آپ کو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا کیا گیا تھا اور ان کو بھی اس میں شریک کیا فرماتے ہیں کہ اس کے بعد۔

فاتینا اُمّنا ۔	ہم دونوں بھائی ملکر والدہ کے پاس آئے۔

اور اسلام پیش کیا۔ آپ کی والدہ نے سعادت مند بیٹوں کو مسلمان دیکھ کر فرمایا مجھے بھی اس دین سے کوئی نفرت نہیں (دیکھو) میں مسلمان ہوئی اور جن چیزوں کی تم دونوں نے تصدیق کی میں بھی اس کی تصدیق کرتی ہوں۔

واَنذِر عشیرتک الاقربین | اپنے قبیلے کے قریب لوگوں کو خدا سے ڈراؤ۔

کا پہلا فرض گویا پورا ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ روایات کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا کہ قریش مجھ پر بہت ظلم کر چکے ہیں اس عرصہ میں انھوں نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے عقلاً اور قانوناً حق پہنچتا ہے کہ ان سے انتقام لوں اور انشاء اللہ اسی انتقام کے ذریعے سے مقصد میں بھی کامیابی ہوگی۔

عسفان کی گھاٹیوں میں جا کر چھپنا

رائے اس پر مستقر ہو گئی۔ والدہ اور بھائی کے ساتھ آپ عسفان کی ایک گھاٹی[۱] (جو تجار قریش کے راستے میں واقع تھی) میں جا کر ٹھہر گئے اور معمول کر لیا کہ اس راہ سے جو قافلہ کفار قریش کا گزرے گا اُسے لوٹ لیتے۔ جب ان پر قبضہ ہو جاتا تو اس کے بعد فرماتے اگر تم خدا کی یکتائی پر گواہی دیتے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتے ہو تو سارا مال ابھی واپس کر دیا جائے گا اور اگر انکار کرو گے تو یاد رکھو ایک حبہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔

قریش آپس میں مشورہ کرتے کہ وہی ابو ذرؓ (یعنی جو مکہ میں عام طور سے مشہور ہے اور اس پر وہاں بہت ظلم ہوئے ہیں) ایسا کہتا ہے کیا کرنا چاہیئے۔

---

[۱] طبقات صحیح مسلم میں اس گھاٹی کا نام ثنیۃ غزال بتایا گیا ہے ۱۲

بعض ایمان لے آتے تھے اور بعض کفر ہی پر قائم رہتے جو مسلمان ہو جاتا تھا آپ اس کا سارا مال دانہ دانہ رتی رتی کر کے واپس فرما دیتے جو انکار کرتا تھا اسے بہ یک بینی و دو گوش روانہ کر دیتے۔

جو لوگ یہاں مسلمان ہوتے تھے مکہ معظمہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتے اور اس طرح روز بروز اسلام کی تعداد میں ایک اور اضافہ کی صورت نکل آئی۔ حضرت ابو ذرؓ جس کام پر معمور کئے گئے تھے خدا کے فضل سے اس میں غیر متوقع کامیابی ہو رہی تھی۔ اس واقعہ میں سب سے زیادہ غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اگر حضرت ابو ذرؓ کے ہاتھ پر ایمان لانے والے محض مال کی طمع سے مسلمان ہوتے تھے تو ان کے لئے بالکل ممکن تھا کہ مکہ میں جا کر پھر جاتے، لیکن تاریخ اس کی ایک نظیر بھی پیش نہیں کرتی۔ جو مسلمان ہوتا تھا بس ہمیشہ کے لئے ہوتا تھا، کہ حق و صداقت کی روشنی دلوں میں خواہ کسی وسیلے سے بھی ہو جب صحیح طور پر اتر جاتی ہے تو دیکھا گیا ہے کہ پھر وہ بہت مشکل سے بجھتی ہے۔

الغرض عسفان کی گھاٹیوں میں آپ ایک زمانہ تک نہایت دلیری کے ساتھ اسلام کی اس اہم خدمت کو انجام دیتے رہے باوجودیکہ یہ کل تین آدمی تھے اور اس میں بھی تیسری آپ کی والدہ ایک بوڑھی عورت تھیں۔ لیکن منقول نہیں کہ آپ کو کبھی کفار مکہ سے عسفان میں کوئی گزند پہنچا۔ کہ منصب تبلیغ پر پہنچنے والوں کے لئے۔

واللہ یعصمک من الناس | خدا تمہیں آدمیوں کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔

کا وعدہ یزدانی موجود ہے۔

وطن کی طرف مراجعت ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا کہ حضرت ابو ذرؓ

عسفان میں کب تک رہے لیکن مسند احمد حنبل کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے غفار میں پہنچ چکے تھے[1] عجیب بات ہے کہ جن غفاریوں نے آپ کو محض خام توحید کی بنا پر اس درجہ رنج پہنچایا تھا کہ آپ ترک وطن پر مجبور ہوئے تھے آج حق و صداقت کی کشش و رعب کو دیکھو کہ بغیر کسی مادی کد و کاوش کے بعض تو پہلی ہی تبلیغ میں ایمان لے آئے اور بعضوں نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئیں گے تو ہم لوگ اس وقت پورے مسلمان ہو جائینگے[2]

قریب ہی آپ کے حلیف اسلم کا قبیلہ آباد تھا وہاں بھی آپ پہنچے، اور جو کچھ اپنے دل میں لگا کر لائے تھے دوسروں میں بھی اسی کو لگانا شروع کردیا چونکہ روز بروز کامیابی ہو رہی تھی اس لیے آپ کو اس سے از حد دلچسپی ہوگئی۔ اخیر میں ان کا شغف اس درجہ ترقی پذیر ہوا کہ آپ اس وعدہ کو بھی پورا نہ کرسکے جسے چلتے وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا یعنی میں دیکھتا رہوں گا کہ آپ کو جنگ کی اجازت کب ملتی ہے۔ جب مل جائے گی فوراً حضور سے آملوں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کا حکم بھی ہوا۔ بدر و احد جیسی مشہور لڑائیاں بھی گزر گئیں لیکن حضرت ابو ذر کو اپنے کام سے فرصت نہ مل سکی۔ اخیر میں جب کفار عرب دس ہزار جرار لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے اور خندق کی وجہ سے ایک مہینہ کامل محاصرہ ڈال کر مدینہ کے سامنے پھیل گئے یہاں تک کہ آسمانی قوت نے ہوا میں جنبش پیدا کی جس نے خیمے اکھاڑ دیئے ہانڈیاں دیگیں الٹ دیں

---

[1] مسند امام احمد صفحہ ۱۷۵ ج ۵ [2] ۱۲ صفحہ ۱۶۳ ج ۴ — ۱۲

فرشتوں نے کافروں کے دل سل ڈالے۔ دشمنوں میں بلا وجہ سراسیمگی پیدا ہوئی، قریش بغیر لڑے بھڑے، مکہ میں آ کر چھپ گئے تو اس واقعہ نے تمام عرب میں زلزلہ ڈال دیا یقین و ایمان کی ایک لہر تھی جو تمام عرب میں دوڑ گئی۔ غفاری اولاً یونہی منتظر بیٹھے تھے اس واقعہ نے ان کے شوق و اضطراب کو اور بھڑکا دیا۔

مدینہ منورہ کا سفر

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بقیہ غفار نے درخواست کی کہ ہم لوگ مدینہ جا کر ایمان لانا چاہتے ہیں۔ اسلم والوں نے بھی ساتھ دیا۔

۵ھ کے ابتدائی مہینے تھے کہ غفار اور اسلم کی معیت میں اسلام کا کامیاب مبلغ پھر انھیں قدموں کے نیچے آ کر تڑپنے لگا جس کی یاد نے اُس کو طویل عرصہ میں کبھی چین سے نہیں رکھا تھا کیا کچھ واقعات گزرے ہجر و فراق کی داستانوں میں کیا گفت و شنید ہوئی۔ زمانہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ ہمیں تو صرف اس قدر معلوم ہے کہ دونوں قبیلے آپ کے روبرو پیش ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار اقدس سے ان کی آنکھوں، بلکہ جانوں کو نوازتے ہوئے فرمایا۔

غفار غفر اللہ لہا اسلم سالمہا اللہ (صحاح مسند)	غفار خداوند تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور اسلم کو خدا سلامت رکھے۔

یہ ایک خاص خصوصیت تھی جو حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے علاوہ آپ نے کسی قبیلے کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں فرمائے اور اسلم پر بھی یہ رحمت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت پھیل گئی۔

قبائل غفار و اسلم تو اپنے خیمہ گاہوں کی طرف واپس لوٹے اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کا دامن تھام لیا۔ اور اس مضبوطی سے تھاما کہ پھر کبھی الگ نہیں ہوئے۔

امارت مدینہ روز بروز آپ کا اقتدار و اعزاز دربار نبوی میں بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع[1] میں تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کا امام آپ ہی کو بنایا۔ اور نہ صرف آپ ہی امیر ہوئے بلکہ آپ کے صدقہ میں غفاریوں کو بھی کبھی کبھی یہ عہدہ ملا مثلاً غزوہ دومتہ الجندل کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سباع بن عرفتہ الغفاری کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔[2]

ردافت کی عزت عرب میں عام طور سے دستور تھا کہ جب اونٹ پر سوار ہوتے تو اپنے کسی خاص آدمی کو اپنا ردیف بنا لیتے تھے جو سوار کی کمر تھام کر پیچھے بیٹھتا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی کسی کو اپنا ردیف بناتے تھے۔ حجۃ الوداع میں آپ کے ردیف آپ کے چچازاد بھائی افضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردافت ایک بڑا عہدہ جلیل تھا۔ جس شخص کو آپ یہ عزت دیتے تھے

---

[1] اس جنگ کا نام ذات الرقاع (یعنی لتوں والی لڑائی ہے) وجہ یہ تھی کہ راستہ نہایت سنگلاخ اور پتھریلا تھا۔ جس سے اکثروں کے پاؤں پھٹ گئے تھے۔ لوگوں نے اس لئے پاؤں میں لتے باندھ لئے تھے چونکہ ذات الرقاع صحیح روایات کی بنا پر خندق کے بعد واقع ہوا ہے۔ اس لئے حضرت ابوذر کا امیر مدینہ ہونا کوئی بعید نہیں۔ والتفصیل فی زاد المعاد ۱۲

[2] زاد المعاد ج ۱-۱۲

عموماً وہ ردیف النبی صلی اللہ علیہم وسلم کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا۔

ہمارے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس عزت سے سرفراز کئے جاتے تھے۔ نہ صرف اونٹوں پر بلکہ حضور چھوٹی چھوٹی سواریوں میں بھی مثلاً گدھے وغیرہ پر بھی حضرت ابوذر کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے، اور آپ سے باتیں کرتے ہوئے راستہ طے فرماتے تھے[۱]

خدمت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اور صرف روافت ہی نہیں، بلکہ زمانہ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ خادم بھی رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی خدمت سے بہت زیادہ خوش تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی خدمت سے فارغ ہو کر کچھ رات گزرے مسجد نبوی میں سونے کے لئے آئے چوں کہ اس دن زیادہ کام کیا تھا اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دل دہی کے لئے تھوڑی دیر کے بعد مسجد تشریف لائے۔

حضرت ابوذر سو چکے تھے آپ نے انگوٹھے کے اشارے سے جگایا۔ گھبرا کر اُٹھ بیٹھے آپ نے پوچھا، ابوذر کیا ہے۔ اس دن کیا کرو گے جب اس سے (مسجد نبوی سے) تم نکالے جاؤ گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دربار نبوت میں بہت زیادہ شوخ تھے، بولے۔

"اپنی تلوار سونت لونگا۔ اور جو مجھے یہاں سے نکالے گا اس کی گردن اُڑا دوں گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور دعا کرنے لگے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ۱۶۸ مسند احمد وغیرہ ۱۲

"اے خدا ابوذر کی مغفرت فرما" اس کے بعد ابوذر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

"ابوذر! نہیں ایسا نہ کرنا۔ جو بھی تجھ پر حاکم ہو۔ اگرچہ غلام حبشی کیوں نہ ہو جس کی ناک کان اکھڑے کیوں نہوں اس کی اطاعت کرنی چاہئے وہ جدھر کھینچے، کھنچ جانا۔ جدھر ہانکے چلا جانا۔"

اور ایسا ہی ربذہ میں ہوا جس کی تفصیل آتی ہے۔

صاحب سر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خاص خصوصیت یہ بھی تھی حضور نے بہت سے اسرار آپ کو بتائے تھے لوگ جب آپ سے کوئی حدیث پوچھتے تھے تو فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسرار بتائے ہیں وہ اگر پوچھتے ہو تو نہیں بتاؤں گا اس کے علاوہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔[ل]

درد محبت

اگرچہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر حالات میں تفتہ جگروں کو اس ٹیس کے کھلے کھلے نشانات ملتے ہیں جس کے بغیر مومن مومن نہیں ہوتا۔ لیکن بعض واقعات خاص طور پر عبرت انگیز ہیں جس سے محب ومحبوب کی باہمی لگاوٹوں کا ایک دلفریب مرقع سامنے کھنچ جاتا ہے۔

حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ اکثر جب حدیث جاناں کا ذکر فرماتے تو کہتے۔

اوصانی حبیبی بثلوث۔ بصلوٰۃ الضحیٰ والوتر قبل النوم والصیام	میرے محبوب نے مجھے تین باتوں کی وصیت کی ہے چاشت کی نماز کی اور وتر سونے سے پہلے پڑھ لیا کروں

ل مسند احمد بن حنبل وغیرہ ۱۲

ے مسند احمد بن حنبل صفحہ ۱۶۰ ج ۵ مطبوعہ مصر ۱۲

ثلثه ایام من کل شہر[۱] | ہر مہینے میں تین روزے رکھا کروں۔

اور اخیر میں فرمادیتے، کہ میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح ایک دوسری وصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اوصانی حبی بخمس ارحم المساکین واجالسھم وانظر الی ماھو تحتی ولا انظر الی ماھو فوقی وان اصل الرحم وان اقول الحق ولو کان مرا وان اقول لا حول ولا قوۃ الا باللہ[۲] | میرے محبوب نے مجھے (اور) پانچ باتوں کی وصیت کی یہ کہ مسکینوں پر مہربانی کروں اور انہیں کے ساتھ نشست و برخاست رکھوں، ہمیشہ اپنے سے ابتر حال والوں پر نظر رکھوں اور اپنے سے بہتر حال والے کو نہ دیکھوں اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کروں اور سچ بولوں اگرچہ تلخ کیوں نہ ہو اور کہتا رہوں کہ گناہوں سے باز نہیں رہ سکتا اور نہ فرمان برداری پر قادر ہو سکتا ہوں مگر صرف خدا کی مدد سے۔

الغرض یہ خاص آپ کا طرز تھا کہ ان کا نام جن کی زندگی کی قسم آسمانوں پر رحمن معتقد رکھا تا تھا حبیبی یا خلیلی کے لفظ سے تعبیر کیا کرتے کبھی کبھی حالت بہت غیر ہو جاتی تھی حدیث بیان نہیں کر سکتے تھے گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ احنف بن قیس راوی ہیں کہ میں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیت المقدس کی مسجد میں ایک حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا صرف اتنے الفاظ کہہ کر کہ مجھے میرے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی، چیخ مارتے تھے، پھر لوٹاتے کہ مجھے میرے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے پھر یہی کہتے کہ مجھے میرے محبوب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی اور چیخ مارتے حتیٰ کہ جو تھی بار ضبط کر کے آپ نے

[۱، ۲] مسند احمد ۱۲

حدیث بیان کی۔

ایک دن حضرت ابوذر کو خیال گزرا کہ آج تو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیتے ہیں لیکن جنت میں کیا ہوگا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو بہشت میں ہونگے اور میرا وہاں جانا نہ جانا خکمو ہے کہ جنت کا استحقاق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کامل سے ہوتا ہے اور ہم میں یہ کب ہیں۔

الغرض اس کا خلجان اس قدر بڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا کہ یا رسول ایک آدمی ہے جو کسی کو پیار کرتا ہے اس سے اُسے محبت ہے لیکن اس میں استطاعت نہیں کہ اپنے محبوب کے مانند تمام اعمال و افعال کو بجا لائے (پھر اس کا قیامت میں کیا حال ہوگا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوذر رضؓ کے مقصد کو پہنچ گئے فرمایا اے ابوذر تم تو اسی کے ساتھ رہو گے جس کو پیار کرتے ہو۔ حضرت ابوذر رضؓ بیتاب ہو کر چلائے کہ یا رسول اللہ میں تو اللہ اور اس کے رسول کو پیار کرتا ہوں اور انہیں کو دوست رکھتا ہوں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا!

"تو اے ابوذر! تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو تم اسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو۔ تم اُسی کے ساتھ رہو گے جسے چاہتے ہو!"

شہیدان محبت کے لئے حضرت ابوذر کا یہ سوال انشاء اللہ بہت زیادہ ہمت افروز حوصلہ افزا ہے۔ اعمال میں کمزوریاں ضرور ہیں اتباع اسوہ نبوۃ

سنہ احمد۔ صد ۱۶۲

یقیناً نایاب ہے لیکن

انت مع من احببت | تو اس کے ساتھ ہے جس کو دوست رکھتا ہے۔

بھی ایسی سچی زبان صلوات اللہ علیہ وعلی اصحابہ وسلامہ کے امواج صادقہ ہیں جس کی سچائی کی امید نہ رکھنی کفر ہے تم محبت کرکے دیکھو! دیکھنا کہ ابتلاع کے لئے جوڑ جوڑ بند بند ظاہر و باطن خود مضطر ہوگا۔

اب شان محبوبی کے جلوہ فرمائیوں کا بھی نظارہ کرو جانبازوں کے ساتھ کیا نوازشیں تھیں کیا کچھ مدارات تھیں۔ حضرت ابوذر خود فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

لم یلقنی قط الا اخذ بیدی[1] | کبھی میری ملاقات ایسی نہیں ہوی کہ آپ نے میرے ہاتھ نہ پکڑے ہوں (یعنی ہمیشہ مصافحہ کی سرفرازی نصیب ہوتی تھی)

دربار رسالت میں جب کسی کی زبان نہیں کھل سکتی تھی کسی کی کرمہائے فراواں نے ابوذر کو گستاخ کر دیا تھا، کہ جو جی میں آتا تھا پوچھتے تھے خود فرماتے ہیں۔

انا کنت اسال عنها یعنی اشدا مسئلة (سنن بیہقی) | میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پوچھا کرتا تھا اور پوچھنے میں سخت تھا۔

سوال کی اسی شدت و کثرت کا نتیجہ تھا کہ آخر دنوں میں حضرت ابوذرؓ فرمایا کرتے۔

لقد ترکنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرك طائر جناحیه | محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت ہم لوگوں کو چھوڑا جب فضا میں اڑنے والے پرندوں کے متعلق

---

[1] مسند احمد ص ۱۶۲

فی السماء الا ذکرمنہ علما | بھی ہمیں کوئی نہ کوئی علم مل گیا۔
(مسند احمد)

صحبت و خدمت کی اس طویل مدت اور سوالوں کے پوچھ گچھ کے اس دراز سلسلے میں شاید ہی کبھی اپنے نیازمند کو بارگاہ سراپا ناز سے جھڑکی ملی۔ البتہ ایک دفعہ جب حضرت ابوذر اپنے حدود سے بہت آگے بڑھ گئے تو پھر عتاب ہوا۔ اور ایسا عتاب ہوا کہ حضرت ابوذر بھی اس کو ہمیشہ یاد کرتے ہوئے فرماتے۔

فغضب علي رسول الله صلى الله عليه وسلم ماغضب علي من قبل ولا من بعد (سنن بیہقی) | پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر غصے ہوئے اور اس قدر غضبناک ہوئے کہ نہ اتنا غصہ آپ کو مجھ پر اس سے پہلے آیا تھا۔ اور نہ اس کے بعد کبھی آیا۔

قصہ یہ تھا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "لیلۃ القدر" کی بڑی تلاش رہتی تھی ایک دن موقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگے کہ یا رسول اللہ کیا قدر کی رات صرف رمضان کے مہینے کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسرے مہینوں میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں صرف رمضان میں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ رات محض اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ کے پیغمبر ہم میں ہیں یا ان کے بعد بھی اس کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نبی کے بعد بھی یہ رات باقی رہتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی میں نے عرض کیا کہ آخر رمضان کے کس عشرہ میں اس رات کو تلاش کیا جائے۔ آپ نے فرمایا، آخر عشرہ میں اور اول عشرہ میں اسے ڈھونڈھو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کسی اور گفتگو میں مصروف ہو گئے لیکن میں موقع کی تاک میں رہا ذرا غفلت پاکر پھر پوچھا کہ آخران دو عشروں میں سے کس عشرہ میں واقع ہوتی ہے فرمایا کہ آخر عشرہ میں اور اس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس اب آیندہ کچھ نہ پوچھنا پھر آپ دوسری باتوں میں مشغول ہو گئے مگر میں تاک ہی میں لگا رہا موقع پاتے ہی باوجود ممانعت کے میں نے یہ کہتے ہوئے۔

اقسمت علیک یا رسول اللہ بحقی علیک لتحدثنی فی ای العشر ھی۔

حضور پر میرا جو کچھ بھی حق ہے میں اس کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ مجھے بتا دیجئے کہ عشرہ اخیرہ کی کس رات میں یہ رات واقع ہوتی ہے

بس اس کے بعد حلم قلزم عمیق میں جنبش ہوئی اور ایسی ہوئی جسے تم حضرت ابوذر کی زبانی سن چکے کہ اس تلاطم کو نہ انھوں نے پہلے دیکھا تھا اور نہ بعد۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ دریائے رحمت کے اس غضبی جوش کا منشاء کیا تھا۔ کیا باوجود ممانعت کے حضرت ابوذر کے پوچھنے پر غصہ آیا۔ شاید اس پر کہ ابوذر میں اب تک اپنا اتنا حصہ باقی ہے جس کی تعبیر انھوں نے "حق" سے کی حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر کو جو کچھ بنانا چاہتے تھے اس کے اندر "حق" کی گنجایش کہاں رہتی ہے۔ بہرحال یہ الفت ومحبت کی دائرہ کی باتیں ہیں ان رموز و اسرار تک محب ومحبوب کے سوا کسی دوسرے کی کیا رسائی ہو سکتی ہے۔ میں تو اس وقت ان نوازشوں کا ذکر کرنا چاہتا تھا جو مختلف شکلوں میں جاں باز ابوذر پر دربار نبوت سے مبذول ہوتی رہتی تھیں واقعات بکثرت ہیں۔ لیکن سب سے نمایاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مرض کا ایک واقعہ ہے۔ حضور صاحب فراش ہیں

مرض شدت پذیر ہے عین اسی حال میں حکم ہوتا ہے کہ ابو ذر کو بلاؤ، لوگ دوڑتے ہیں لیکن وہ وارفتہ جمال نبوی خدا جانے کدھر نکل گیا تھا تھوڑی دیر میں جب واپس ہوئے اور معلوم ہوا کہ طلبی ہوئی تھی ہانپتے کانپتے آستانے پر پہنچے باریابی ہوئی۔

حضرت ابو ذر فرماتے ہیں کہ آپ لیٹے ہوئے تھے ضعف سے اُٹھ نہ سکے میں آپ کی طرف جھکا اس وقت آپ کے دونوں ہاتھ بڑے اور مجھے اپنے صدر منشرح سے چمٹا لیا[۵۱] پھر اس کے بعد کیا ہوا اس کا پورا علم تو حضرت ابو ذر کو ہوگا تاہم اتنا تو دنیا کو بھی معلوم ہوا کہ اس کے بعد ابو ذرؓ سے پندار و خودی آرزو و خواہش کے خس و خاشاک جل کر کچھ اس طرح بھسم ہوئے کہ پھر کبھی نہیں اُگے۔

مطلع سینہ نبوی سے ابو ذر کے پہلو میں وہ درد اُترا جس کے بعد انسان ہمیشہ مجنون و دیوانہ مشہور ہوا ہے۔

صحبت نبویہ کے آثار

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہ (بلکہ وہ بھی جو آپ کے ساتھ ایمانا نہ تھے پر آپ کے زمانہ میں تھے) کے باہمی تعلقات کو ذہن نشین کرانے کے لئے ہمارے سامنے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس تمثیلی بیان سے غالباً زیادہ موثر کوئی چیز نہ ہو یعنی اپنے مکتوبات میں ایک مقام میں ارقام فرماتے ہیں۔

"آفتاب جگر آسمان پر تھراتا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دھوبی اپنے کپڑے صاف کر کے اس کی گرم گرم شعاعوں کے سامنے ان کپڑوں کو پھیلا کر

---

۵۱ مسند احمد بن حنبل الامام ۱۲

کھڑا ہو جاتا ہے۔" مگر تاثیر کی بوقلمونی کس درجہ اعجوبہ پرواز ہے کہ کپڑے آناً فاناً سفید ہوتے جاتے ہیں اور دھوبی کا چہرہ اسی دھوپ میں اسی وقت ایک ہی ہوا ہیں اسی نسبت کے ساتھ سیاہ پڑتا جاتا ہے"

تم دیکھتے ہو کہ عرب کے ایک ساحلی شہر طیبہ میں ایک نبوی آفتاب چمک رہا ہے۔ اس کے اردگرد سیکڑوں دل، ہزاروں روحوں کا اجتماع ہے لیکن وہ جنھیں لوگ افضل البشر بعد الانبیاء کہتے ہیں صدیقیت کے رنگ کو اپنے اندر اس کی کرنوں سے پختہ کر رہا ہے۔ کسی میں فاروقیت یا حق و باطل کی قوت ممیزہ شدت پذیر ہو رہی ہے۔ کوئی ہے جو اپنے روح و جسم میں حیا کے تمام شعبوں کی تکمیل میں مصروف ہے کسی کا سینہ علوم و معارف کے لئے یوماً فیوماً منشرح ہو رہا ہے۔ اور جہاں یہ ہے وہیں چند اشقی القوم ایسے بھی ہیں جن کے قدم جہل و تیرہ دوری کی سیاہ کیچڑوں میں دھنس رہے ہیں۔ گمراہی و شرارت کے لہب و شعلوں میں گھسے جاتے ہیں۔

تبرك الذى بيده الملك وهو علىٰ كل شئ قدير الذى خلق الموت والحيوٰة۔	مبارک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہت عالم کی ہے اور وہ ہر چیز (خواہ شر ہو یا خیر) پر قادر ہے جس نے پیدا کیا موت کو (جو ایک شر چیز ہے) اور زندگی کو (جو خیر ہے)

انھیں دلوں میں ایک وہ دل بھی تھا جس پر غفاریوں کی خاندانی درندگی کے پردے پڑے ہوئے تھے اور جس پر لٹیروں کی قساوت و ہوسناکی کا بادل محیط تھا۔ لیکن ان تتھہائے تار کے اندر ایک مادہ صالحہ بھی پنہاں تھا جو اسی مدنی آفتاب کے نیچے خوش قسمتی سے آگیا ہے۔

سراج منیر (آفتاب درخشاں) کی تیز کرنیں اس پر بھی پڑ رہی ہیں،

ابر ہٹ رہے ہیں پردہ چاک ہو رہا ہے حتی کہ جب ان کی بالکل دھجیاں اڑگئیں تو میں نے بعد کو اور مجھ سے صدیوں پہلے دنیا کی بہترین جماعت نے وحی نبوی کی صداقت ماب آوازوں میں سنا۔

من سرہ ان ینظر الی زھد عیسی بن مریم فلینظر الی ابی ذر	جو حضرت عیسی علیہ السلام کے زہد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتا ہے پس وہ ابوذر کو دیکھے۔

حتی کہ جب دیکھنے والوں نے دیکھا تو بنی اسرائیل کے اس نبی میں جو تائید روح القدس کے پرورش یافتہ تھے اور محمد (صلوات اللہ علیہ وسلامہ) کی ادنی فیض پذیرندہ کے زہد میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ یہ ہمارے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ تھے جن کی فطرت میں بطن ام (شکم مادر) سے زہد و تقوی کا تخم موجود تھا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آبشار صحبت کی بدولت وہ اوگا' پھلا پھولا اور اخیر میں اتنے برگ وبار لایا کہ اس کی شادابی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقت[1] جامعۂ نبوۃ کی شاخ مسیحی کا اسے ایک مکمل نمونہ قرار دیا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفس صحبت پاک کا یہ اثر تھا لیکن اسباب وعلل کی تلاش کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت بڑا دخل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت انتخاب اور طریقہ تعلیم کو بھی تھا آپ جس شخص میں جس چیز کی مناسبت دیکھا کرتے اس کو اسی قسم کی

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی شان مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔

اوتیت علم الاولین والآخرین	اگلوں اور پچھلوں کے تمام علوم ومعارف مجھے دئے گئے

اسی لحاظ سے آپ کی ذات تمام انبیا علیہم السلام کے حقایق کی جامع تھی صحابہ پر ان حقیقتوں میں سے کسی ایک کا پرتو پڑتا تھا اور وہ اسی میں پختہ اور کامل ہو جاتے تھے ۱۲۔

تعلیم دیتے تھے جیسا کہ انشاء اللہ کچھ تھوڑی بہت تفصیل اس کی آئندہ پڑھوگے۔ تم کو وہیں سلف صالح کی ان آراء مستقیمہ کی صداقت بھی معلوم ہوگی جو فرماتے آئے کہ حدیث و قرآن سے تکمیل روح انسانی کے لئے ضرورت ہے کہ کسی شیخ طریقت کی حلقہ بگوشی بھی اختیار کی جائے وجہ یہ ہے کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصورت قرآن و آثار و حدیث ہمارے سامنے ہے لیکن آج وہ قوت انتخابیہ کہاں ہے جو جانچ لے کہ فلاں شخص کے لئے فلاں تعلیم کی ضرورت ہے۔

حضرات صوفیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں خدا اس قوت کو پیدا فرماتا ہے اور وہ اپنے وابستوں کی جبلت کا اندازہ کرکے ان کے سامنے ارشاد و تعلیم فرماتے ہیں۔

طریقہ تعلیم نبوی

میں استیعاب تو نہیں کرسکتا تاہم مختصر مختصر طور پر اس کا ایک دھندلا سا خاکہ پیش کرنے کی گنجایش بھی پاتا ہوں۔

محبت دنیا | مراتب زہد میں سب سے پہلے جس جذبہ کو دبانا چاہیے وہ محبت دنیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصیت کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے دھن دولت کی مذمت فرماتے خود ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں کعبہ (غالباً یہ مدینہ آنے سے پہلے کا واقعہ ہے) کی طرف ایک دن جارہا تھا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دیوار کے سائے میں جلوس فرما تھے دور سے مجھے دیکھا اور جب قریب ہوا تو آپ فرمانے لگے

هم الاخسرون ورب الكعبة	وہی برباد وتباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی.
هم الاخسرون ورب الكعبة	وہی برباد وتباہ ہیں قسم ہے کعبہ کے رب کی.

حضرت ابوذر کو خیال ہوا کہ شاید میرے متعلق آپ پر کوئی وحی نازل ہوئی سانس چڑھ گئی دوڑتے ہوئے آے اور فرمایا۔

من هم فداك ابی وامی	وہ کون ہیں آپ پر میرے ماں باپ قربان ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الاکثرون اموالا الامن قال	زیادہ مال و دولت والے، لیکن جس نے اس طرح
هکذا وهکذا وقلیل ماهم	اور اس طرح دیا وہ بہت ہی تھوڑے ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے دھوبے بنالئے اور آگے دائیں بائیں کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جو خوب لے دے۔ غریبوں کے کام چلائے

شام کا وقت ہے صحرا، مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بغرض سیر و تفریح تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ساتھ ہیں۔ سامنے احد کا پہاڑ نظر آیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا۔ "ابوذر!"

حضرت ابوذر۔ لبیك یا رسول اللہ

آپ نے فرمایا۔

"اے ابوذر" اگر اس احد کے برابر بھی ہمارے پاس سونا ہو تو میں اس کو بالکل پسند نہیں کروں گا کہ وہ ہمارے یہاں تیسرے دن تک رہ جاے۔

لیکن صرف اس قدر حصہ جو قرض داروں کے لئے ہے رکھ چھوڑوں میں سب کو ادھر اُدھر اللہ کے بندوں پر تقسیم کردوں۔ اور پھر دھوبے

بنابنا کر آپ دائیں بائیں اشارہ فرمانے لگے۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں۔ ہم پھر آگے چلے، آپ نے تھوڑی دیر کے بعد پھر ارشاد فرمایا۔

"ابوذر! وہی بے دولت ہیں جو دولت والے ہیں مگر صرف وہ جو اِدھر دے اُدھر دے"[1]

پس وہ جنھیں خدا پیار کرتا ہے ان میں ایک وہ شخص ہے کہ ایک فقیر اس قبیلہ میں آتا ہے اور قرابت کا واسطہ دے کر نہیں بلکہ خدا کا واسطہ دے کر ان سے کچھ مانگتا ہے اور قبیلے کے لوگ اسے کچھ نہیں دیتے ہیں لیکن وہی چپ چاپ اُٹھتا ہے اور چھپا کر اس کے کچھ اس طرح حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی خیرات کا علم بجز خدا اور لینے دینے والے کے علاوہ کسی کو نہیں دوسرا وہ ہے جو کسی قافلہ کے ساتھ رات کو چلتا ہے حتیٰ کہ جب قافلہ پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ کسی مقام میں اتر پڑتے ہیں اور تکیوں پر سر رکھ کر سو جاتے ہیں لیکن وہ تھکا ماندہ مسافر اکیلا خدا کے آگے کھڑا ہو جاتا ہے اور اللہ کی خوشامدیں کرتا ہے اس کی آیتیں تلاوت کرتا ہے

تیسرا وہ ہے جو کسی جنگ میں شریک ہے دشمنوں سے سپاہیوں کی مٹ بھیڑ ہو جاتی ہے اتفاق سے مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے۔ اس وقت سینہ تانے آگے بڑھتا ہے پھر یا قتل ہو جاتا ہے یا مظفر و منصور واپس ہوتا ہے۔

اور جن سے خدا بغض رکھتا ہے وہ بڈھا زانی اور قلاش بانکا اور ظالم دولتمند ہے۔[2]

---

[1] مسند احمد ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

حضرت ابو ذر کہتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو لوگ آج اونٹوں بکریوں گایوں کے مالک ہیں اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے دن ان کی مویشیاں بہت بڑی اور موٹی ہو کر آئیں گی اور جب تک اعمال کا فیصلہ نہ ہو گا کوئی اپنے مالک کو سینگوں سے مارے گا کوئی اپنے قدموں سے کچلے گا۔ ایک قطار جب ختم ہو جائے گی تو دوسری آئے گی اور وہی درگت بنائے گی۔[1]

حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث تو آخر عمر میں اکثر پڑھا کرتے تھے۔ کہ مجھ سے میرے محبوب نے عہد کیا۔ کہ جس نے سونے چاندی پر گرہ لگائی وہ اس کے مالک پر انگارے ہیں۔[2]

اور نہ صرف یہ حدیثیں بلکہ ایسے سیکڑوں اقوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جن میں حضرت ابو ذر کی تعلیم کا خصوصیت کے ساتھ پتہ چلتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔

"ابو ذر! مسجد میں جو سب سے زیادہ بلند رتبہ کا آدمی ہو دیکھو وہ کون ہے"

---

[1] مسند احمد اس حدیث میں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مویشیوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب کہ وہ یا تو تجارت کی غرض سے پالے گئے ہوں یا ان کا اکثر زمانہ چرائی میں بسر ہوتا ہو ورنہ گھر پر کھلانے والے جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔

[2] اس حدیث کے متعلق حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاص قصہ اور فتویٰ ہے ناظرین اس کو یاد رکھیں۔ تمام تمہید اسی کے لئے ہے۔ ۱۲

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو جس کے بدن پر نہایت قیمتی جوڑا تھا دیکھا اور اشارہ کیا کہ حضور وہ ہے آپ نے فرمایا اچھا اب دیکھو! ان میں سب سے زیادہ گرا ہوا کون ہے۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مسکین کی طرف جو نہایت پھٹے پرانے چیتھڑوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اشارہ کیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا۔

"خدا کی قسم، قیامت کے دن اس کا (یعنی پھٹے پرانے کپڑوں والے کا) وزن نیکی اور بھلائی میں ایسوں سے (یعنی اچھے قیمتی جلے والوں سے) تمام زمین کے وزن کے برابر زیادہ ہوگا۔"[۱]

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن معاش سے تنگ آکر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، اور درخواست کی کہ حضور مجھے، کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرمائیں آپ نے صلوات اللہ علیہ وسلامہ سنتے ہی فرمایا۔

یا اباذر انی اراک ضعیفا وانی احب لک ما احب لنفسی لا تامرن علی اثنین ولا تولین مال الیتیم[۲]	ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں (یعنی یہ کام تمہاری فطرت کے مناسب نہیں) اور میں تمہارے لئے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جو مجھے اپنے لئے پسند ہے ہرگز ہرگز تم دو آدمی کے بھی امیر نہ بننا اور کسی یتیم کے مال کے متولی ہونا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں رات کو حاضر ہوا تھا اور صبح تک اصرار کرتا رہا لیکن آپ نے کسی طرح منظور نہیں کیا

---

[۱] مسند احمد ۱۲ [۲] طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۱۷۱ ۱۲

فرمایا۔ ؎۱

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طبیعتوں کی فطری نہاد کا اندازہ بہت ضرور ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو تو اس عہدہ پر خود مامور فرماتے تھے لیکن حضرت ابوذرؓ کے لئے اسے کیوں ناپسند فرمایا۔

حب مال جو ب دنیا کی نہایت خار دار شاخ ہے، اس کی نشوونما میں سب سے زیادہ تائید بخشنے والی چیز رئیس اور دوسروں کی دنیاوی ترقیاں ہیں۔ انسان پر کبھی ہستیٔ ناپائیدار کی اصل حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور چند دنوں کے لئے اکثر سلیم الفطرتوں کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے، مگر جہاں مالداروں اور اپنے سے زیادہ دولتمندوں پر نظر پہنچی۔ ان کے اونچے مکان عمدہ لباس، لذیذ کھانے۔ خوبصورت، پرشوکت سواریاں سامنے سے گذریں۔ بس اسی وقت ایک انقلاب پیدا ہوتا ہے اور اسی کے بعد زہد و عزلت کے تمام جذبات کو کھو بیٹھتا ہے، روحانی خیالات مسلوب ہو جاتے ہیں اور دنیا کی ہوس دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا بھی علاج بتا دیا تھا اور وہ اخیر عمر تک اسی پر عامل رہے۔ خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں۔

"میرے خلیل (یعنی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے"

(۱) مسکینوں سے محبت کروں اور ان سے ملتا جلتا رہوں۔

(۲) اور مجھے فرمایا کہ میں اپنے سے کم رتبہ والے آدمی پر ہمیشہ نظر کروں

؎۱ مسند احمد ۱۲۔

اور اپنے سے بلند مرتبہ پر کبھی نگاہ نہ ڈالوں' یہ در اصل اس مرض کا بہترین علاج ہے۔ فرض کرو کہ ایک آدمی ہے جسے ململ کا کرتہ اور لٹھے کا پائجامہ پہننے کو گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کھانے کو ایک صاف ستھرا مٹی کا مکان رہنے کو ملتا ہے۔ اب اگر یہ اس شخص پر جس کے پاس گاڑھے کا کپڑا اور جو کی روٹی اور پھونس کے جھونپڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہے نظر کرے گا تو اپنی حالت پر شکر کرے گا اور خواہ مخواہ ان فضول مصائب میں مبتلا نہ ہوگا جو اسے اپنے سے زیادہ مالدار' زیادہ قیمتی لباس عمدہ کھانے کھانے والے پر نظر کرنے کے بعد جھیلنے پڑتے۔ دنیاوی طمانیت اور اخروی فوائد کی یہ بہترین تدبیر ہے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو آج اس پر عامل ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں اگر اس اصول پر انسان عمل کرے تو شاید اسے کبھی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی' دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ یہی وہ سنہرا اصول ہے جس کی تعبیر میں سعدی نے کہا "پیر کٹے کو دیکھ کر پھر مجھے اس کا افسوس نہ ہوا کہ میرے پاؤں میں جوتے کیوں نہیں ہیں"

حب مال کے بعد حب دنیا کا دوسرا جز جاہ و عزت کی محبت ہے یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک اور نظام عالم کے فساد کا باعث ہے دنیا میں بندگان دولت سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ اُن سے بہت ہی کم ہیں جو جاہ پرستیوں کی دیوانگیوں سے ظہور میں آئے۔

اس مرض کا اصلی سبب' صرف یہ ہے کہ انسان اپنے اندر جب کسی کمال کو محسوس کرتا ہے تو وہ کمال عطا کرنے والے کی قوت و قدرت کو بھول جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اب میں بھی کچھ ہوں اور اسی کے بعد کوشش کرتا ہے کہ جیسا کہ میں نے اپنے آپ کو کچھ سمجھا ہے کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارے گرد

وبیش والوں کو بھی میرے وجود باکمال کی اطلاع ہو پھر اس کے لئے جو کچھ تدبیریں اپنی اپنی پرواز کے موافق سمجھ میں آتی ہیں۔ کم دیکھا گیا ہے کہ حرص و ہوا کا ادنیٰ غلام اس کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا رکھتا ہو منافقت کے انگاروں سے اپنا سینہ بھر لیتا ہے اور حلال وحرام طریقوں سے اپنے وجود کی خبر دنیا کے کانوں تک پہنچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جو کمال پیدا ہونے والا تھا یا ہو چکا تھا۔ وہ زہد اور تقویٰ کا کمال تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں اس پر عجب وخود بینی نہ پیدا ہو۔ جس کے بعد جاہ و عزت کا سیلاب خود بخود دنیا وآخرت کے چین کو بہا کرے جاتا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از وقت اس کا بھی انسداد فرما دیا۔ اور صاف لفظوں میں حضرت ابوذر کو مخاطب کرکے آپ نے ایک دن فرمایا۔

> اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندو تم سب کے سب گنہگار ہو لیکن جسے میں محفوظ رکھوں پس تم سب کے سب مجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کی درخواست کرتے رہو میں تمھیں بخشوں گا۔ جو مجھے صاحب قدرت جانتا ہے، یعنی جانتا ہے کہ گناہوں کو خدا مٹا سکتا ہے، اور ہٹاتا ہے اور اس نے میری قدرت کے وسیلہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی میں نے اس کے گناہ معاف کئے اور مجھے اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔"

اے ہمارے بندو! تم سب کے سب گمراہ ہو لیکن

صرف وہ جسے میں راستہ بتاؤں تو تم ہم سے ہی ہدایت کی التجا کرو۔

تم سب کے سب محتاج و فقیر ہو لیکن صرف وہ جسے میں غنی کروں تم مجھ سے ہی اپنی روزیاں طلب کرو اور یاد رکھو اگر تمھارے مردے اور زندے، اگلے پچھلے، برے بھلے خشک و تر سب کے سب میرے کسی بندے کے انتہائی پرہیزگار دل پر جمع ہو جائیں تو ان سب سے میرے ملک میں مچھر کے پر کے برابر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

اور اگر تمھارے زندے، مردے، اگلے، پچھلے، برے، بھلے، جمع ہوں اور ہر ایک اپنی اپنی تمام امیدوں کا مجھ سے سوال کرے، اور میں سب کے سوال پورے کر دوں تو اس سے بھی میرے ملک میں کچھ کمی نہیں ہو گی، لیکن صرف اس قدر کہ ایک شخص کسی دریا میں اپنی سوئی ڈبوتا ہے اور نکال لیتا ہے اور یہ اس لئے کہ میں ہی بخششوں والا بزرگ، برتر اور تمام مقاصد پر غالب ہوں، کرتا ہوں جو کچھ چاہتا ہوں۔

میرا دینا بھی صرف میرا کلام ہے اور میرا عذاب بھی صرف میرا کلام ہے میں جس چیز کا ارادہ کرتا ہوں، اس سے کہتا ہوں کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔

یزدانی جلال و جبروت کا جو نظارہ تم اس کلام میں کرتے ہو کیا اس کی صداقت یقین کرنے کے بعد اپنی ہستی یا اپنے مکاسب و کمالات پر کبھی کوئی ناز کر سکتا ہے کیا اس کے بعد ایک سکنڈ کے لئے غرور گھمنڈ کی چنگاریاں کسی

دل میں چمک سکتی ہیں اور کیا اس کے بعد پھر کبھی کوئی مومن باللہ جاہ و عزت بقاء و نمود کے لئے کرۂ ارض پر کوئی فتنہ اٹھا سکتا ہے آخر جب کہ ہم میں ہر ایک خطا وار ہے تو تقویٰ و طہارت پر کون دیوانہ مغرور ہو سکتا ہے حتیٰ کہ اس کی شہرت و صیت کی جد و جہد میں مبتلا ہو۔

جب کہ ارباب دول کی تمام تر ثروتیں صرف خدائے قیوم کے قبضۂ اقتدار میں ہیں تو کیسہ ہائے زر پر سینہ تاننے والا اگر احمق نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہمارے تمام اکابر اسافل، بڑے اور چھوٹے مل کر بھی خدا کی بارگاہ جلال میں پر پشہ کی برابر اضافہ نہیں کر سکتے تو پھر انسان مشتے از خاک انسان کس پر اکڑتا ہے۔

اس کی شان بے نیازی کا جب یہ حال ہے کہ وہ ہدایت و رشد کے باب میں بھی صرف توفیق اور اپنے ہاتھ کو کام کرنے والا بتاتا ہے تو ایک واعظ، و مصلح، کس بناء پر اپنے مساعی کو قابل قدر ہستی سمجھ سکتا ہے۔

آہ! کہ سب کچھ اسی کا ہے، اور ہم محض محتاج و فقیر ہیں تو
پھر یہ خود بینی کیسی یہ زعم و پندار کیوں؟

یہی وہ حکم و مواعظ تھے جس نے اخیر میں روح ابوذری پر زہد عیسوی کا نقش کھینچ دیا بہر کیف یہ سب کچھ تھا اور اس سے بھی زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان اطہر و قلب مزکی سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زاہدانہ فطرت کو ابھارتے رہتے تھے۔

لیکن آپ کی تمام تعلیم وارشاد میں سب سے زیادہ خصوصی نظر اس حصہ پر ڈالنی چاہئے جہاں اسلام اپنی امتیازی شان کے ساتھ تمام ادیان

دل سے علیحدہ نظر آتا ہے۔

تم کو وسوسہ ہوتا ہوگا کہ اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم تھی تو پھر اسلام نے رہبانیت کی کیا مخالفت کی اور اسے قسیسوں احباروں کی خود تراشیدہ امور میں کیوں شمار کیا۔

میں اسی سوال کے جواب کی طرف تمھیں متوجہ کرانا چاہتا ہوں۔ عام طور پر سمجھ لیا گیا ہے کہ زہد و تقویٰ اس کا نام ہے کہ آبادیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور بیابانوں میں نکل جانا چاہیے۔ اور وہیں کہیں تنہائی میں بیٹھ کر خدا کی عبادت میں مصروف ہونا چاہیئے۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"راستوں سے ہڈیاں اُٹھانی یہ بھی نیکی ہے۔ کسی بھٹکے ہوئے کو راستہ بتا دینا یہ بھی صدقہ ہے کسی کمزور آدمی کی معاونت کرنی یہ بھی صدقہ ہے اور تیرا اپنی بیوی کی ساتھ ہم بستر ہونا یہ بھی صدقہ ہے"[1]

حضرت ابوذر رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (تعجب سے) پوچھا کہ حضور کیا بیوی کے ساتھ ہم خلوت ہونے میں صدقہ ہے؟ حالانکہ اس میں تو آدمی اپنے نفس کی خواہش پوری کرتا ہے، کیا آدمی اپنی خواہش بھی پوری کرے گا اور اجر بھی پائے گا۔؟

سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات نے فرمایا۔ اچھا بتاؤ اگر تم اس خواہش کو کسی ناجائز اور حرام طریقے سے پوری کرتے تو کیا یہ گناہ نہ ہوتا حضرت ابوذر نے کہا یقیناً

---

[1] مسند احمد ۱۲

آپ نے فرمایا۔ تو تم لوگ گناہوں کا تو خیال کرتے ہو لیکن نیکیوں کا نہیں۔ عموماً زاہدانہ زندگی گزارنے والے، کسب و حرفت کو چھوڑ بیٹھتے ہیں، اور پھر جب انہیں دنیاوی ضروریات ستاتی ہیں تو حالاً یا قالاً بھیک مانگنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ

"مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا کیا تم ایک ایسی بات پر بیعت کروگے کہ اس کے بعد تمہارے لئے صرف جنت ہے؟"

حضرت ابوذر نے کہا! جی ہاں۔ اور میں نے ہاتھ پھیلا دے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تم سے عہد لینا چاہتا ہوں کہ تم کسی آدمی سے کچھ نہیں مانگوگے،

حضرت ابوذر نے کہا "بہت بہتر"!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "حتیٰ کہ وہ کوڑا بھی نہیں۔ جو تمہارے گھوڑے سے گر پڑے بلکہ تم اترو اور خود اٹھاؤ۔"[۱]

ہمارے زمانے میں فقرا و درویش نے ایک طریقہ یہ بھی اختیار کر رکھا ہے کہ ہر وقت منہ چڑھا ہوا ہے، کسی نے کوئی بات بھی پوچھی تو اس کا جواب پیشانی پر بل دیتے ہوئے دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں "کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہرگز کسی قسم کی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر تمہارے پاس کسی مسلمان کے ساتھ سلوک کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے تو اپنے بھائی کے ساتھ بخندہ پیشانی ملو۔[۲]

---

[۱] ۲ مسند احمد ۱۲

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں پر زہد کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ یکایک اپنے گھر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ بیوی بال بچے اقربا کی خبرگیری کا بالکل خیال نہیں کرتے حالانکہ یہ حرکت اس مقصد کے بالکل خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ انسان دنیا میں چند سال کے لئے جس کی مدت اس زمانہ میں ساٹھ ستر سے شاید زیادہ نہیں، محض آزمایش کے لئے اوتارا گیا ہے اور اصلی آزمایش یہی ہے کہ تمام فتنوں میں مبتلا ہو کر بھی اپنے خالق ذوالجلال کو نہیں بھولتا، حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ

"مجھے میرے محبوب نے وصیت کی کہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتا رہوں، اگرچہ اسے پورے طور پر انجام نہ دے سکوں[1] کہ یہ بہت مشکل ہے۔ بہرکیف جس قدر بضاعت ہو۔ اسی میں سب کے ساتھ سلوک کرتا رہے"

جذب و سرمستی اور اسکی حقیقت تعلیم و تزکیہ کا یہی زرین سلسلہ تھا جو روز بروز حضرت ابوذر کے اصل جوہر کو چمکا رہا تھا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر لحظ ہر وقت، حضرت ابوذر کی حرکت و سکون پر نظر رکھتے تھے اور ادھر حضرت ابوذر کا یہ حال تھا کہ جو کچھ کہا جاتا اور جس وقت کہا جاتا فوراً اُن کی روح اسے جذب کر لیتی اور اس سختی کے ساتھ اسے قبول کرتی کہ پھر دنیا کی کوئی قوت اس رنگ کو کسی طرح مٹا نہیں سکتی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ وہ خود اپنی ہستی مٹا بیٹھتے لیکن یہ بالکل ناممکن ہو رہا تھا کہ جو رنگ ان پر چڑھا دیا گیا تھا وہ زائل تو کیا میلا بھی پڑتا

---

[1] مسند احمد ۱۲

مثلاً اسی زمانہ میں جب کہ آپ شروع شروع دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے ایک دن غصہ میں آکر ایک صحابی (حضرت بلال رض) کو ان کی غلامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔

یا ابن الامۃ | او لونڈی بچے

کہہ دیا۔ حضرت بلال سیدھے دربار نبوت میں پہنچے اور ابوذر پر دعوی دائر کر دیا کہ انھوں نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ اسی وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی طلبی ہوتی ہے حاضر ہوتے ہیں، بارگاہ نبوت سے سوال ہوتا ہے۔

اسابَبتَ فلانا | کیا فلاں (بلال) کے ساتھ تم نے گالی گلوچ کی ہے

ابوذر کا زندہ ضمیر "جرم" کے زہریلے جرم کو اپنے اندر اس صحت یابی کے بعد جو صحبت نبویہ سے حاصل ہوئی تھی چھپا نہیں سکتا تھا صاف لفظوں میں بغیر کسی تاویل یا اظہار اسباب کے اقرار کر لیا اور بولے۔

نعم | ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔

حوادث وواقعات، مقدمات ومعاملات کی تنقیح وچھان بین میں کن احتیاط اور دقیقہ سنجیوں سے کام لیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل فیصلہ صادر فرمانے کے پھر دریافت فرمایا۔

افنلت من امہ | کیا تم نے (بلال) کی ماں کے متعلق کچھ کہا۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں بھی وہی

نعم | جی ہاں

کے ذریعہ قصور کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد ایک کنانی افضل عرب کو ایک حبشی

غلام کے مقابلہ میں غلاموں کے مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ مشہور خطاب ملتا ہے۔

انك امرء فيك جاهلية	تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (گنوار پن) اب تک موجود ہے۔

اس کے بعد کتنا پرلطف فقرہ وہ ہے جسے امام بخاری اپنی جامع میں حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں، اپنے ہادی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے "جاہلیت" کے خطاب پانے کے بعد مجذوب ابوذر کی زبان سے بے ساختہ یہ جملہ نکلتا ہے۔

على ساعتي هذه من كبر السن	کیا اس وقت بھی اتنی بڑی عمر میں (ابتک گنوار ہی ہوں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نعم	ہاں

طبقات ابن سعد میں اتنا اور اضافہ ہے کہ۔

ما ذهبت اعرابيتك بعد	ابتک تمہارا گنوار پن تم سے زائل نہیں ہوا ہے۔

اس زجر و توبیخ کے بعد آپ نے نہایت نرمی اور شفقت سے سمجھانا شروع کیا کہ

"ابوذر! تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں (یعنی کسی کو اس کے محض غلام ہونے کے سبب سے ذلیل نہ سمجھو جس طرح اپنے بھائی کو ذلیل نہیں سمجھتے) اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو تمہارے سپرد کردیا ہے، چاہیئے کہ انھیں وہی کھانے کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جسے تم پہنتے ہو۔

ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مغلوب و عاجز آجائیں، اور اگر کبھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو یہی تو ان کا

ہاتھ بٹاو،،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ابو ذر کے کان میں ان لفظوں کو ڈال دیا لیکن اس کے بعد دیکھنے والوں نے ان کی برقی تاثیروں کو اس طرح دیکھا اور بار بار دیکھا کہ حضرت ابو ذر گھر سے باہر نکلے ہیں غلام بھی ساتھ ہے۔ جو کپڑے اپنے بدن پر ڈالے ہوئے ہیں ٹھیک اسی قسم کا پیراہن غلام کے دوش پر پڑا ہوا ہے۔ لوگوں نے ٹوکا بھی کہ حضرت آپ نے جو چادر غلام کو دے دی ہے اگر اسے بھی آپ ہی اوڑھتے تو لباس تکمیل ہو جاتا۔ مگر وہی ابو ذر جو کبھی ایک آزاد غلام کو بھی لونڈی بچہ کہنے سے نہیں جھجکتے تھے اب کہتے ہیں۔

اجل! ولکن سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون.	ہاں (سچ کہتے ہو) لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کھلاؤ اپنے غلاموں کو اسی کھانے میں سے جسے تم خود کھاتے ہو اور پہناؤ ان کو اسی کپڑے میں سے جسے خود پہنتے ہو۔

سچ کہا جس نے کہا ہے

این خرقہ کہ من آلودہ حافظ بخود نہ پوشید | اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

تاثیر و تاثر، فاعل و قابل میں جہاں کہیں بھی ایسا مضبوط و مستحکم رشتہ قائم ہوا، تسلیم و رضا جب کبھی بھی اس شکل میں رونما ہوئی جو فرمان رسالت اور جان ابو ذر کے درمیان تھی تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے بعد تعلیم تسلیم نہیں رہتی۔ اطاعت و فرماں برداری کا زینہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔

---

[1] مسند احمد، بخاری وغیرہ ۱۲

رضا اضطرار و مجبوری کے قالب میں ڈھل کر رفتہ رفتہ عشق اور عشق کے بعد جذب و وجد وارفتگی کی صورت میں ظاہر ہو کر بالآخر برہم زن ایوان صبر و قرار، عقل و ہوش ثابت ہوتی ہے۔

دنیا نے ہمیشہ اس کیفیت کو خواہ وہ کسی وجہ سے ہو جنون و دیوانگی سے تعبیر کیا ہے اور مذہب و تصوف کے محاورہ میں ایسے نفوس کو مجاذیب و بہالیل کا خطاب دیا گیا ہے۔

مجذوبوں کی اصل اور ان کا سرچشمہ

اگرچہ اتنے اہم مسئلہ پر کوئی قطعی رائے قائم کرنی مشکل ہے تاہم واقعات کی رہنمائی میں اس کا سراغ ضرور ملتا ہے کہ جس طرح آج اسلام کی مختلف شاخیں مختلف اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں اسی طرح طائفہ مجاذیب و بہالیل جو فقرا کی مشہور جماعت ہے اس کے سنگ بنیاد، خشت اول قرن صحابہ میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

حالات موجود ہیں۔ اس کی کھلی نشانیاں تم اس میں ڈھونڈ سکتے ہو اور نہ صرف اس قدر بلکہ مجذوبوں کی اصل حقیقت پر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سوانح حیات سے پوری روشنی پڑتی ہے۔ ایک معیار ملتا ہے۔ جس پر زمانہ حال کے مجذوبوں کو جانچا جا سکتا ہے۔

آپ کی مجذوبانہ وضع

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ آپ کی وضع اور ہیئت ہے طبقات ابن سعد، مسند احمد و نیز دوسری کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بال پریشاں رہتے تھے ڈاڑھی بالکل اُلجھی ہوئی رہتی تھی۔ خود اس میں کبھی کنگھی وغیرہ نہیں فرماتے ہیں۔ کوئی آدمی جب آپ کو اس حال میں دیکھتا تو پکڑ لیتا۔ نہلا دھلا کر

کپڑے بدل دیتا، بال جھاڑ دیتا۔

قبیلہ بنی ثعلبہ کا ایک شخص آپ کی ہیئت کے متعلق راوی ہے۔

مر بنا شیخ اشعث ابیض الراس واللحیة فقالو هذا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذناه ان نغسل راسه فاذن لنا واستاء نس بنا۔	ایک بوڑھا آدمی ہمارے سامنے سے گزرا جس کے بال اُلجھے ہوئے پریشان تھے۔ باوجودیکہ سر اور ڈاڑھی دونوں سفید ہو چکے تھے، لوگوں نے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ہم نے یہ سُن کر آپ سے اجازت مانگی کہ ہم آپ کا سر دھو دیں انھوں نے اجازت دی اور ہم سے مانوس ہو گئے۔

کتاب کا نام مجھے اس وقت یاد نہیں۔ ورنہ خیال آتا ہے کہ کوفہ یا بیت المقدس کی مسجد میں ایک واقعہ اسی کے قریب پیش آیا۔

آپ کے حلیہ سے سراغ جذب

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ آپ کا حلیہ بیان کرتے ہیں وہ اس پر تو متفق ہیں کہ آپ دراز قد گھنے بال والے تھے لیکن رنگ میں لوگوں کا اختلاف ہے، طبقات میں ایک جگہ ہے کہ آپ گندم گوں تھے[1] اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ کا رنگ سیاہ تھا[2]۔

عام محدثین اس تعارض کو جس طرح چاہیں دفع کریں لیکن میرے خیال میں تو یہی آتا ہے کہ اصل رنگ آپ کا گندم گوں تھا مگر جو اس درجہ سرمست و وارفتہ ہو اس کا رنگ میل کچیل گرد دھوپ سے اگر سیاہ پڑ جائے تو کیا تعجب ہے؟

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۴ مطبوعہ لیڈن ۱۲

[2] طبقات صـ ۱۶۹ ج ۴ - ۱۲

سڑکوں پر سجدے کرنا

خصوصاً جب روایتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے بعض شاگرد سڑکوں اور عام شاہراہوں پر سجدے کیا کرتے تھے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ شاگردوں کی حرکت استاذ ہی کی تقلید ہو گی۔ اس لئے نقل کرتا ہوں کہ اس سے بھی آپ کی مجذوبانہ کیفیتوں کا پتہ چلتا ہے۔

مسند احمد میں ہے ابو عوانہ اور سلیمان اعمش یہ دونوں کسی راستہ سے گزر رہے تھے چلتے چلتے یہ سلسلہ جاری ہوا کہ انھوں نے مجھے قرآن سنانا شروع کیا۔ اور میں نے ان کو اس عرصہ میں جہاں سجدہ کی آیت آجاتی تو وہ سڑک ہی پر سجدہ میں گر جاتے۔ میں نے کہا۔

اتسجد فی السکۃ	کیا سڑک پر ہی سجدے کرتے ہو۔

اس کے جواب میں وہ بولے کہ میں نے ابراہیم تیمی سے سنا، وہ اپنے والد سے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ میں نے ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ روے زمین کی سب سے پہلی مسجد کون ہے؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام (کعبہ) میں نے عرض کیا پھر کون سی آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ (بیت المقدس کی مسجد) میں نے عرض کیا دونوں کے تعمیر میں کتنا فاصلہ ہے۔ آپ نے فرمایا چالیس سال[1]۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اینما ادرکتک الصلوٰۃ فصل فھو مسجد	جس جگہ بھی نماز کا وقت آجائے تم وہیں نماز شروع کردو کہ وہی مسجد ہے۔

---

[1] غالباً غرض یہ ہے کہ ابراہیم خلیل علیہ السلام نے بیت المقدس کی مسجد کی بنیاد تعمیر کعبہ کے چالیس سال بعد رکھی بائبل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے تفصیل کے لئے غایۃ البرہان امروہوی دیکھنا چاہیے۔

اس حدیث سے سڑکوں پر سجدہ کرنے کی اجازت کا استنباط بہ ظاہر حضرت ابو ذر کی افتادِ طبع کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ سڑک تو بہر حال کچھ نہ کچھ صاف ہوتی ہے اور سجدہ کے لئے زیادہ گنجایش کی ضرورت بھی نہیں۔

حضرت ابو ذر کا تو یہ حال تھا کہ لیٹنے تک کے لئے وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ کہاں لیٹ رہے ہیں۔ کس جگہ لیٹ رہے ہیں۔

نحو کے امام[1] اول حضرت ابو الاسود دؤلی سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت ابو ذر اپنے ایک تالاب سے کھیتیوں کو پانی دے رہے تھے۔ چند مسلمان ادھر سے گزر رہے تھے، حضرت ابو ذر کو دیکھ کر انھیں خیال آیا کہ کاش! ایسے مقدس بزرگ کے موی مبارک ہاتھ آ جاتے تو کیا اچھا ہوتا، آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اس کام کو انجام دے۔ ان میں سے کسی ایک نے اس مہم کا بیڑا اٹھایا اور بولا ہاں! میں اس کام کو کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ تالاب پر پہنچا لیکن (بد قسمتی سے شاید اضطراب میں اس سے کچھ ایسی حرکت سرزد ہوئی) کہ تالاب کا کنارہ اس کی حرکت سے ٹوٹ گیا۔ یہ دیکھتے ہی حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں تالاب کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور پھر بیٹھنے ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اسی (مرطوب کیچڑ سے بھری ہوئی زمین) پر لیٹ گئے۔ اس شخص نے پوچھا کہ حضرت یہ آپ یکایک بیٹھ گیا کیے اور بیٹھنے کے بعد لیٹے کیوں؟ حضرت ابو ذرؓ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ۔

"اے شخص مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہوا ہے تو چاہئے کہ

---

[1] مسند احمد صہ۱۵۲ ج ۵ - ۱۲

فوراً بیٹھ جائے کہ اس سے غصہ جاتا رہتا ہے۔ ورنہ پھر لیٹ جائے"

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر کو تالاب کے توڑنے والے پر کچھ غصہ آگیا تھا۔ اسی کے علاج کے لئے آپ بیٹھے، لیکن مجذوبانہ غصہ تھا، نہ اترا لیکن محمدی جذب کا اثر دیکھو! کہ جذب کے ساتھ اس کا بھی ہوش باقی ہے کہ ایسے موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہدایت ہے اس پر عمل کرتے ہوئے آپ اسی زمین پر لیٹ جاتے ہیں، خدا جانے اس کے بعد اس بیچارے نے جس مہم کے سر کرنے کا وعدہ اپنے رفیقوں سے کیا تھا وہ سر ہوا بھی یا نہیں کہ روایت اس پر ختم ہوگئی ہے مجھے تو اس روایت سے صرف یہ دکھانا تھا کہ جو آدمی اتنی لاپروائی کے ساتھ تالابوں اور کنوؤں کے کنارے کی مرطوب زمینوں پر اس طرح لیٹ جاتا ہو کیا بعید ہے کہ سڑکوں پر سجدہ کرنے کا طریقہ شاگردوں نے اپنے اسی استاذ سے سیکھا ہو واللہ اعلم بالصواب۔

وارفتگی اور استغراق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام سفروں میں سب سے زیادہ دشوار زیادہ مشکل سفر تبوک کا تھا۔ حتیٰ کہ بعض صحابہ سے بھی اس کی شرکت میں زلت ہوئی۔ جس کے واقعات عام طور سے مشہور ہیں۔ بہر حال اس غزوہ میں حضرت ابوذر بھی شریک تھے۔ عام طور پر چوں کہ امتحان اور جانچ کا موقع تھا۔ صحابہ ایک دوسرے پر نظر رکھتے تھے کوئی آنکھیں بچا کر نکل تو نہیں جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابوذر حسب عادت ایک دن قافلہ والوں سے پیچھے رہ گئے نگاہیں تو بکھری ہوئی تھیں۔ فوراً ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔" کہ ابوذر بھاگ گئے۔

بھاگ گئے "۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش اقدس تک جب یہ خبر پہنچی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ پر حضرت ابو ذر کی وفا شعار فطرت آئینہ کی طرح واضح تھی۔ آپ نے مدتوں کے تجربہ کے بعد یقین کر لیا تھا کہ ابو ذر کے سینہ میں جو دل ہے وہ کبھی ابو ذر کے پاؤں کو پیچھے ہٹا نہیں سکتا۔ لیکن آپ مجبور تھے۔ اس وقت صحابہ کی ان چہ می گوئیوں کا کیا جواب دیتے صرف اس قدر فرما کر۔

"چھوڑ دو اس کو چھوڑ دو' اگر اس کی ذات میں کوئی بہتری ہوگی
تو خداوند تعالیٰ خود تم لوگوں سے ملا دیں گے "

اس قدر فرما کر آپ خاموش ہو گئے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو زبان مبارک چپ تھی۔ لیکن دل میں حضور کے یہ تمنا توجہ پذیر تھی کہ کاش ابو ذر ملنے میں جلدی کرتا۔ اور لوگوں کو جو اس کی جانب سے بدگمانی ہو گئی ہے وہ جلد دور ہو جاتی۔

آخر یہی ہوا کہ یکایک آپ کو ہوش آیا۔ اب جو دیکھتے ہیں تو قافلہ غائب ہے۔ نہ صحابہ کرام ہیں نہ وہ ہیں جن کو دیکھ لینے کے بعد ابو ذر پھر کسی چیز کو دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے بچھڑنے کا انہیں ادھر احساس ہوا۔ اور دل تھا کہ عجلت اور تیزی کی آرزوؤں میں ڈوب گیا اونٹ کچھ تو قدرتاً سست تھا۔ پھر نکیل کو ڈھیلی پا کر بہت زیادہ ڈھیلا ہو گیا تھا آپ نے ایڑ لگائی، کوڑے لگائے۔ لیکن لوگ میلوں آگے نکل چکے تھے۔ ان کا چھو لینا دشوار ہو گیا اور یہاں بے تابی حد سے زیادہ گزر رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیجئے۔ آخر تھک کر آپ اونٹ سے

اتر پڑے جو کچھ سامان سر پر لاد سکے لاد لیا۔ اونٹ کو مع بالان وغیرہ کے وہیں چھوڑ کر دوڑتے ہوئے تلاش محبوب میں قدم بڑھانا شروع کیا۔

انجام کار ہانپتے کانپتے قافلہ کے قریب آ گئے کسی صحابی کی نظر پڑی کہ کوئی شخص پیادہ پا بعجلت تمام آ رہا ہے۔ لوگوں کو خیال تھا حضرت ابوذر تو اونٹ پر سوار ہیں اس لئے یہ کوئی اور شخص ہے فوراً غل ہوا کہ کوئی آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لوگوں نے اطلاع دی کہ جنگل میں کوئی اکیلا تن تنہا پیادہ پا آ رہا ہے۔ غرض کہ ہر شخص "کوئی آ رہا ہے، کوئی آ رہا ہے" کی آواز بلند کر رہا ہے۔

لیکن حضور نے جب دیکھا تو ارماں بھرے دل سے جو آواز نکلی آہ! کہ وہ یہ تھی۔

کن اباذر کن اباذر — | ابوذر ہی ہو۔ ابوذر ہی ہو

ان لفظوں میں کیا مسیحائی ہے تم کو کیا معلوم، قتیلان ناز سے پوچھو! کہ اس کلمۂ ایجاد میں کتنے مٹے ہوؤں کی جانیں پوشیدہ ہیں اللہ اللہ سرباختہ ابوذر کی اس موت کو دیکھ کر رحم آتا ہے۔ اور یوں زندہ کیا جاتا ہے۔ ابوذر اپنی ہستی کو کھو بیٹھے تھے۔ اور جو اس طرح اپنی متاع کھوتا ہے وہ یوں ہی پاتا ہی اور لباس وجود دوبارہ اُسے اسی طرح پہنایا جاتا ہے۔ ؎

سینہ کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا | خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

نہیں ہو سکتا تھا کہ ادھر سے یہ ایجادانہ الفاظ نکلیں اور دوسری طرف سے گم ہونے والا ابوذر پھر پیدا نہ ہو۔ آخر یہی ہوا۔ چند ہی منٹ کے بعد صحابہ میں غل ہوا کہ "ابوذر ہی ہیں" "ابوذر ہی ہیں"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بھر آیا یہ سنتے ہی آپ حضرت ابوذر کی

طرف ایک رحم انگیز نگاہ ڈالتے ہوئے یہ الفاظ فرمانے لگے۔

رحمہ اللہ اباذر یمشی وحدہٗ ویموت وحدہٗ ویبعث وحدہٗ[1]	اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائیں۔ بیچارہ اکیلا چلتا ہے اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا

مجذوبانہ لباس

آپ کسی خاص لباس کے رہین منت نہ تھے جو جس قسم کا کپڑا پہنا دیتا پہن لیتے۔ کبھی کبھی لوگوں نے حلہ قطریہ[2] کو آپ کے جسم مبارک پر دیکھا ہے۔ جو عرب کے بہترین لباسوں اور جوڑوں میں خیال کیا جاتا تھا۔ اور کبھی نہایت ہی خستہ وشکستہ خرقہ و گودڑ میں پھرتے۔ نہ آپ کو اس کی خوبصورتی اور شان کی کوئی پرواہ تھی۔ اور نہ ان ذلیل کپڑوں کی وجہ سے آپ دل تنگ ہوتے تھے۔

کبھی کوئی کپڑا نہ ملتا تو کمبل ہی اوڑھ کر باہر نکلتے، ایک دن آپ بدوؤں کا سا کمبل ہی اوڑھے ہوئے تشریف لے جا رہے تھے کسی نے پوچھا کہ "آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ تھا" جواب میں فرمایا "کہ ہوتا تو تم اس کو ضرور میرے بدن پر دیکھتے۔ اس شخص نے کہا "کل دو دن ہوتے ہیں کہ آپ پر میں نے نہایت عمدہ جوڑا دیکھا تھا (وہ کیا ہوا)" بولے کہ "وہ تھا تو! لیکن ایک شخص کو میں نے دیکھا جو اس کا محتاج مجھ سے بھی زیادہ تھا۔ اس لئے اس کے حوالہ کر دیا"

اس شخص نے کہا "کہ ہرگز نہیں آپ سے زیادہ محتاج اس کپڑے کا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا (یعنی جس شخص کے پاس بجز پھٹے پرانے کمبل کے اور کچھ نہ ہو اس سے زیادہ اور کون محتاج ہو سکتا تھا)"

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اس شخص کی ضد کو دیکھ کر آگ بگولہ

---

[1] صحاح زاد المعاد ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

ہو گئے اور نہایت کرخت لہجے میں فرمانے لگے "خدا تجھے بخشے تو دنیا کو عظمت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے، کیا میرے جسم پر یہ چادر نہیں (یعنی گو کمبل ہی کی ہے، لیکن ہے تو اور اس شخص کے پاس تو یہ بھی نہ تھی۔) اور کیا ایک چادر نماز پڑھنے کے لئے میرے پاس نہیں"۔ پھر فرمایا۔

"اے شخص! میرے پاس بکریاں ہیں جن کا میں دودھ پیتا ہوں اور میرے پاس گدھے ہیں جن پر بازار کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں، غلام ہیں جو میری خدمت کرتے ہیں اور کھانے پکانے میں میری مدد کرتے ہیں اور ہاں عید۔ بقر عید کے لئے ایک عبا بھی میرے پاس ضرورت سے زیادہ ہے۔ پس تم خود انصاف کرو کہ ان نعمتوں سے بڑھ کر بھی کوئی نعمت ہو سکتی ہے؟ بلکہ جو عبا میرے پاس زاید ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے اس کا محاسبہ نہ ہو۔[۱]

بستر مبارک عموماً سونے لیٹنے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ استعمال فرمایا کرتے تھے، کسی نے عرض کیا کوئی نرم گدا اپنے لئے کیوں نہیں بنوا لیتے ہاتھ اٹھا کر فرمانے لگے۔

"خدایا دنیا میں تو نے جو چیزیں اپنی مرضی سے عطا کی ہیں، میں اس کے متعلق بھی مغفرت کا طلب گار ہوں"[۲]

غالباً مطلب یہ تھا کہ نعمتوں کا لینا آسان نہیں۔ نعمت کے بعد اس کے حقوق جو منعموں پر عاید ہوتے ہیں، مشکل ہے بھول جانے والے ناقدر انسان کا ان حقوق سے عہدہ برا ہونا مشکل ہے، کس حد تک اس کا شکر ادا کر سکا۔ اپنے دوسرے ہم جنسوں، قرابت داروں، عزیزوں کے جو حقوق اس میں پیدا ہو گئے۔

---

[۱] طبقات ابن سعد ۱۲ حلیۃ الاولیاء صد ۱۳۲ ۱۲

کہاں تک اسے اپنی اپنی جگہ پر ٹھیک طرح سے پہنچا سکا پس سچ تو یہ ہے کہ ہر نعمت کے بعد بھی تقصیرات کے عذر بھی اسی قدر کرنے چاہئیں جتنی ہماری تقصیریں ہیں۔

آپ کی عبادت پر جذب کا اثر

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق یہ گمان کہ وہ نماز، روزہ یا دیگر شرعی تکلیفات سے آزاد ہو گئے ہوں گے ان کی کیفیت کو ناقص اور غیر مکمل بنا دیتا ہے۔ نماز کی پابندی تو اور بات ہے یہ بھی کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انھوں نے وقت سے ٹال کر کوئی نماز پڑھی ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی کے ساتھ ان کو وقت پر نماز پڑھنے کی تاکید کی تھی۔

آپ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے کہ کونسا عمل افضل ہے تو آپ یہی فرماتے کہ وقت پر نماز پڑھنی[1]" اور نہ صرف اس قدر بلکہ آپ نے تاکید کی تھی کہ ابوذر! اگر اُمرا نماز میں تاخیر کریں اور وقت سے ٹال کر پڑھیں تو تم اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرو اور پھر ان کے ساتھ مسجد میں آکر شریک ہو جاؤ۔ یہ نماز تمہارے لئے نفل ہو جائے گی[2]۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوذر پر باوجودیکہ جذب کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا لیکن آج تک کسی روایت سے باوجود تجسس کے مجھے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ سے کسی وقت کی نماز چھوٹی ہو" ہاں اس کے برخلاف البتہ روایتیں ہیں کہ ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو نہانے کی ضرورت ایسے مقام پر ہوئی کہ وہاں پانی

---

[1] مسند احمد ۱۲ [2] طبقات ابن سعد ۱۲

موجود نہ تھا۔ تیمم کا مسئلہ آپ کو چونکہ معلوم نہ تھا۔ اس لئے دوڑتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر چلانے لگے۔

هلكت يا رسول الله | میں تباہ ہو گیا یا رسول اللہ

آپ نے پوچھا "کیوں، کیوں"؟ بولے کہ "میں جہاں تھا وہاں میرے ساتھ میری بیوی بھی تھی۔ مجھے نہانے کی ضرورت ہوئی اب کیا کرتا۔ نماز قضا ہوئی" گویا اسی کو اپنی ہلاکت سے تعبیر کر رہے تھے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تیمم کا طریقہ بتایا۔

نماز چھوڑتے تو کہاں تک۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خصوصیت کے ساتھ نماز کے مسئلہ میں آپ کا انہماک اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ خود ہی فرماتے ہیں۔ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا کی نماز پڑھائی اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے بعد بھی اٹھنا نہیں چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اپنی قیام گاہ کی طرف اٹھ کر چلے گئے جب آپ نے اچھی طرح اندازہ کر لیا کہ لوگوں کی آنکھیں گھنا گئیں (یعنی بند ہو گئیں۔ لوگ سو گئے) اور سناٹا ہو گیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس مقام پر تشریف لائے جہاں عشاء کی نماز پڑھائی تھی اور تنہا نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ میں تاک میں تھا جھپٹ کر آیا اور نیت باندھ کر حضور کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے ارشادہ فرمایا کہ میرے داہنے جانب کھڑے ہو جاؤ میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد ابن مسعود بھی (جو غالباً اسی فکر میں کہیں چھپے بیٹھے تھے) وہاں پہنچے۔ چاہا کہ کھڑے ہوں۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب کھڑے ہو جائیں۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں اس کے بعد ہم دونوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں

صرف ایک ہی آیت کو دہرانا شروع کیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضور روتے جاتے تھے۔ بہر حال حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ "حضور نے اسی ایک آیت کو اتنی بار دہرایا کہ صبح کا سپیدہ طلوع ہو گیا۔ اور لوگوں کے ساتھ آپ نے نماز فجر ادا کی۔ ہم اور ابن مسعود اس کے بعد جب آپس میں ملے تو میں نے ابن مسعود سے کہا کہ حضور سے پوچھتے کیوں نہیں کہ رات آپ یہ کیا شغل فرما رہے تھے" عبداللہ بن مسعود نے ہاتھ ہلا کر کہا نہیں بھائی میں کوئی بات حضور سے خود نہیں عرض کر سکتا۔ جب تک آپ ہی اس کے متعلق کچھ نہ فرمائیں۔ تب میں نے خود جرأت کی (اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کو بارگاہ نبوت میں اس سے زیادہ فراخیاں حاصل تھیں کہ جس طبقہ سے آپ کا تعلق تھا ان معاملات میں ان کے ساتھ عموماً ترجی ہی کا برتاؤ کیا جاتا ہے)

بہر حال دل مضبوط کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جیسا کہ ان لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ "در کار خویش ہشیار" اس سے نہیں چوکتے۔ بڑے مزے سے تمہید اٹھاتے ہوئے عرض کرنے لگے

بابی انت وامی قمت بایۃ من القرآن ومعك القرآن	آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ نے ایک ہی آیت کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ آپ کو تو پورا قرآن یاد ہے

اس کے بعد فرماتے ہیں اور کتنے معصومانہ لہجے میں فرماتے ہیں۔

لو فعل ھذا بعضنا لوجدنا علیہ	اگر ہم میں سے کوئی اور آدمی یہ کرتا تو ہم اس سے بگڑ جاتے۔

اس کے جواب میں امت مرحومہ کے رؤف و رحیم رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جو کچھ فرمایا خدا جانے کتنوں کو دیوانہ بنانے کے لئے کافی ہے۔ ارشاد ہوا۔

"اپنی امت کے لئے گڑگڑا رہا تھا"۔

حضرت ابو ذر کی زبان کھل چکی تھی اب کیا رکتی۔ سوال آگے بڑھا۔ پوچھنے لگے کہ

"تو پھر آپ کو کیا جواب ملا؟ اور حق تعالیٰ نے کیا فرمایا"۔

گناہ گاروں کے شفیع، آقائے کرم گستر نے اس کے جواب میں فرمایا

"مجھے وہ جواب ملا کہ اگر اس کی بھنک بھی لوگوں کو مل جائے
تو لوگ نمازیں چھوڑ بیٹھیں"۔[ے]

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دوسرے حال میں تھے جوش سے سینہ معمور تھا۔ عالم سرمستی میں بولے۔

"تو کیا دنیا کو یہ بشارت سنادی جائے"؟

رحمۃ للعلمین کا سمندر بھی اپنی انتہائی مد اور چڑھاؤ پر تھا ارشاد ہوا کہ بلیٰ۔ کیوں نہیں

بلیٰ کی آواز میں بلا کی طاقت تھی سننا تھا کہ ابو ذر اٹھے اور اس مژدے کے اعلان عام کے لئے چل پڑے کہتے ہیں کہ جا ہی رہا تھا اور اتنی دور پہنچا تھا جہاں تک کسی پتھر پھینکنے والے کا پتھر پہنچ سکتا ہے کہ اتنے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دربار رسالت میں عرض کرنے لگے۔

انك ان تبعث الى الناس بهذا تكلوا عن العبادة	اگر لوگوں کے پاس یہ بشارت بھیجی جائیگی تو وہ عبادت سے روگرداں ہو جائیں گے۔

ے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ میں اپنی امت کی شفاعت کر رہا تھا اور میری امت میں جو شرک سے بچا رہا وہ اس شفاعت کو پا کر رہے گا یعنی ھی نائلۃ لمن لا یشرک باللہ شیئاً ص ۱۳ ج ۲

اس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آواز دی کہ "واپس ہو جاؤ" وہ واپس ہو گئے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس قصہ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ وہ آیت جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر تکرار فرماتے رہے وہ یہ تھی۔

ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم[۱]	اگر آپ انہیں سزا دیں گے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر بخش دیں گے تو آپ سب پر غالب ہیں (کون آپ سے پوچھنے والا ہے) اور حکمت والے ہیں۔

اگرچہ قرآن میں یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی زبانی ادا کی گئی ہے۔ لیکن مسیح اگر تین خداؤں کے ماننے والوں کے لئے یہ عرض داشت بارگاہ رب العزت میں پیش کر سکتے ہیں تو ظاہر کہ اللہ احد کی پوجنے والی امت کے متعلق رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے پیش کرنے سے کیوں جھجکتے۔

بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بشارت کی تبلیغ سے روک دئے گئے۔ لیکن خود ان تک تو یہ بشارت پہنچ چکی تھی پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ خود ہی فرماتے ہیں اور غالباً اس واقعہ کے بعد فرماتے ہیں۔

"رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہو گئے۔ بائیسویں کی عصر کی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب فارغ ہوئے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا "ہم آج کی رات انشاء اللہ قیام کریں گے پھر تم میں جس کا جی

---

[۱] البیہقی اور حلیۃ الاولیاء میں ان روایتوں کو دیکھا جا سکتا ہے سنن بیہقی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ نہ صرف قیام ہی میں بلکہ رکوع و سجود الغرض نماز کی ہر ہیئت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی آیت کو دہراتے رہے تھے۔ ص ۱۴ ج ۲

چاہے وہ میرے ساتھ قیام کرسکتا ہے۔ اور یہ تئیس ۲۳ کی شب تھی
نمازِ عشاء کے بعد حضور نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی یہاں
تک کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اس وقت تشریف
لے گئے۔ پھر چوبیس ۲۴ کی رات آئی اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہ نماز نہیں ادا کی چوبیسویں کی نماز عصر کے بعد پھر ارشاد فرمایا
انشاء اللہ میں رات قیام کروں گا۔ تم میں سے جس کا جی چاہے
وہ قیام کرسکتا ہے۔ یہ پچیس ۲۵ کی رات تھی۔ تہائی رات گزرے
یہ نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی رہی۔ چھبیس ۲۶ کی رات آئی تو
آپ نے کچھ نہیں فرمایا لیکن اسی چھبیسویں کی عصر کے بعد پھر فرمایا
کہ آج شب کو بھی انشاء اللہ میں قیام کروں گا۔ یعنی ستائیسویں کی
شب میں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا جی چاہے وہ قیام
کرسکتا ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی

فبجلدنا للقیام | بڑی مستعدی کے ساتھ ہم لوگ قیام کے لئے تیار ہوئے

فرماتے ہیں کہ آج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کی دو تہائی
حصہ تک قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نماز سے فارغ ہو کر اپنے اس قبہ میں تشریف
لے گئے۔ جو مسجد ہی میں آپ کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ میں نے جا کر عرض کیا۔

کنا لقد طمعنا یا رسول اللہ | یا رسول اللہ ہم لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ
ان تقوم بنا حتی تصبح | آج کی رات صبح تک ہم لوگوں کے ساتھ قیام فرمائیے۔

اگرچہ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر
کی یہ تشفی فرما دی۔

یا ابا ذر انک اذا صلیت مع امامک وانصرفت اذا انصرف کتب لک قنوت لیلتک	ابو ذر جب تم اپنے امام کے ساتھ اس نماز (عشا) کو ادا کرو اور امام کے ساتھ تم بھی نماز سے فراغت حاصل کرو تو تمہارے لئے شب بھر کے قنوت (قیام اللیل) کا ثواب لکھا گیا۔

لیکن مجھے تو صرف یہ دکھانا ہے وہ جو عبادت حق کو اپنے وجود کا نصب العین اور قیمت قرار دے کر جبراً نہیں بلکہ شکراً اپنی تمام عاجزانہ اعترافات کے ساتھ مالک کے آگے کھڑے ہوتے ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ اس قسم کی بشارتوں کا اثر یقیناً ان اثرات سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے جو ان پر مترتب ہو سکتے ہیں۔ جس کی نارسائوں نے ابتک ان کو اس کے پہنچنے کا موقع نہیں دیا کہ جب سب کچھ انسان کے لئے ہے تو آخر انسانی وجود بھی اپنے اندر کوئی مقصد رکھتا ہے یا نہیں۔ اور آہ! کہ رب کو بھلا دینے والوں میں کیا کیجیئے کہ ان ہی کی زیادہ کثرت ہے جنھوں نے خود اپنے آپ کو اپنے حافظہ سے باہر کر دیا ہے۔ وہ عالم کی ہر چیز کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ کس لئے ہے۔ ہوا کس لئے ہے۔ پانی کس لئے ہے۔ برق کس لئے ہے اور اسٹیم کس لئے ہے لیکن افسوس ہے ان پر کہ انھوں نے کبھی اپنے متعلق نہیں پوچھا کہ خود ہم کس لئے ہیں پس اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر اس بشارت کی بھنک ہی ان کو مل جائے گی تو وہ عبادت ترک کر بیٹھیں گے۔ یا جس کی تصدیق حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کی کہ وہ عبادت سے بیٹھ جائیں گے۔ یقیناً اس کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو انسانی ہستی کو سلسلہ موجودات کی ایک سدی اور عبث ترین ہستی ٹھیرانا چاہتے ہیں)۔ ورنہ

آپ نے دیکھا کہ ابو ذر ان بشارتوں کو سنتے بھی جاتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے بھی جاتے ہیں کہ ہماری آرزو تو یہ تھی کہ آج حضور ہم لوگوں کے ساتھ صبح تک قیام فرماتے۔ یہ ہے جذب کی وہ حقیقی قسم جس میں انسان کھنچتا ہے اپنی تمام آرزوں اور خواہشوں سے۔ کھنچتا ہے اور اس طرح کھنچتا ہے کہ بجز مرکز وجود کے اس کے لئے پھر کہیں چین نہیں۔ اور یہی معنے ہیں مجذوب کے کہ سب سے کھنچ کر صرف ایک ہی کے اندر جذب ہو کر وہ رہ گیا۔ فرضی اللہ تعالیٰ عنھم و رضوا عنہ۔

بہر حال نماز آپ سے کبھی نہیں چھوٹی۔ اور نہ فرائض میں کسی قسم کی بے اعتدائی آپ سے منقول ہے۔ ہاں نوافل میں بھی کبھی جوش و مستی غلبہ حال کے وقت بعض ایسی باتیں آپ سے سرزد ہو جاتی تھیں۔ جہاں جذب کا رنگ آپ کو تمام صحابہ سے ممتاز کر دیتا تھا۔

زید بن مطرف کہتے ہیں کہ ہم ایک قریشی حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور نمازیں پڑھنا شروع کیں میں نے جو غور کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہوا پھر رکوع میں گیا اور سجدہ کر کے کھڑا ہو گیا اسی طرح پھر سجدہ میں گیا اور بغیر قعدہ یعنی بیٹھنے کے پھر کھڑا ہو گیا۔ الغرض وہ صرف رکوع سجدے کر رہا ہے لیکن قعدہ نہیں کرتا (چونکہ ہر دوسری رکعت پر بیٹھنا ضروری ہے) اس لئے زید نے کہا کہ یہ کون شخص ہے اس کو اس کی بھی خبر نہیں کہ جفت رکعتوں پر سلام پھیرنا چاہئے یا طاق پر۔

لوگوں نے کہا کہ بیچارہ اگر غلط پڑھ رہا ہے تو تم جا کر سمجھا دو۔

زید اٹھے۔ قریب آئے اور کہا۔

”خدا کے بندے! آپ کو اس کی بھی خبر ہے یا نہیں کہ کہاں پر

سلام پھیرنا چاہیئے اور کہاں بیٹھنا چاہیئے جفت پر یا طاق پر"

اس شخص نے کہا۔

"کہ مجھ کو اگر خبر نہیں ہے تو خدا کو خبر ہے اور میں ان باتوں کو نہیں جانتا میں نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے تین کام کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں (۲) ایک نیکی لکھ دیتے ہیں (۳) ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ حساب وکتاب سے ہم واقف نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کی یہ تعریف کی ہے۔ پس ہم سجدے کرتے رہتے ہیں۔ رہا گن کر، یہ سمجھنا کہ اب ہم اتنے کے حقدار ہو گئے ہیں اس کی ضرورت نہیں ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

زید کو آپ کی اس قسم کی باتوں سے حیرت ہوئی پوچھنے لگے کہ آپ ہیں کون صاحب؟

حضرت نے فرمایا۔ ابوذر۔

یہ سننا تھا کہ زید کے ہوش اُڑ گئے اور اپنی مجلس کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے

"تم لوگ نہایت برے ساتھی ہو مجھے تم نے اس لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو تعلیم دوں[1]"

---

[1] مسند احمد ۱۲

الغرض کبھی کبھی نوافل میں حضرت ابوذر سے اس قسم کی بے ضابطگیاں ضرور ثابت ہیں اگرچہ وہ اصل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔ تاہم حضرت ابوذر کا جو حال تھا، اُس کو پیش نظر رکھنے کے بعد علمائے شرع بھی اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور اگر آج بھی کسی کا وہی حال ہو جائے جو ابوذر کا تھا۔ اور پھر ایسے شخص سے نوافل وغیرہ میں اس قسم کی باتیں سرزد ہوں تو اُن پر نکیر نہیں کرنا چاہیے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حضرت ابوذر کی زندگی میں جس نوعیت کے واقعات ملتے ہیں اگر اُن کی توجیہ اس بنیاد پر نہ کی جائے جو میرا خیال ہے تو شرعاً پھر اس کی تصحیح کی کوئی صورت ہی نہیں ہو سکتی

جمعہ کی نماز یا خطبہ میں کلام

نہ صرف نماز بلکہ جمعہ کے خطبہ میں بھی کلام کرنا ناجائز ہے اور فقط کلام ہی نہیں بلکہ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز کے متعلق ایک مشہور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب تم میں کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو اس کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ رحمت الٰہی اس کے سامنے ہے پھر کنکری تک نہ ہلاد"[1]

اسی طرح خطبہ جمعہ کے متعلق بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی کنکریوں سے بھی نہ کھیلے لیکن سنئے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنئے۔ ابتدائے اسلام کا واقعہ نہیں ہے۔ جس وقت نماز وغیرہ میں کلام اور حرکت کی ایک حد تک اجازت تھی بلکہ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ سورہ برأت جو قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ہے اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے نازل ہونے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی گویا ان ہی دنوں میں

---

[1] مسند احمد ۱۲

اتری تھی۔ بہر حال اسی زمانہ کا یہ عجیب واقعہ جسے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیہقی نے اپنے متن میں روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ جمعہ کا دن تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت خطبہ پڑھ رہے تھے میں مسجد میں داخل ہوا اور اُبی بن کعب کے پاس بیٹھ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ برأت پڑھنی شروع کی (روایت میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ہی میں یہ سورۃ پڑھنی شروع کی یا نماز میں) حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے اُبی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی لیکن وہ خاموش رہے اور کچھ نہ بولے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اُبی سے پوچھا کہ تم نے بھائی مجھے جواب کیوں نہیں دیا۔ اُبی نے اس کے جواب میں کہا۔

ما لک من صلوٰتک الا ما لغوت	تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا کچھ نہ ملا۔

حضرت اُبی کی زبان سے یہ فتویٰ سنتے ہی حضرت ابوذر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

کنت بجنب اُبی وانت تقرء براۃ فسألتہ متی نزلت فتجھمنی ولم یکلمنی ثم قال ما لک من صلوٰتک الا ما لغوت۔	میں اُبی کے پہلو میں تھا آپ نے سورہ برات پڑھی میں نے اُبی سے پوچھا کہ یہ سورۃ کب نازل ہوئی تو مجھ سے منہ کرُھا لیا اور مجھ سے نہ بولے پھر (نماز کے بعد) کہا کہ تم کو اپنی نماز سے لغو گوئی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب سن کر صرف اس قدر فرمایا۔

صدق اُبیّ	اُبی نے سچ کہا

سوال یہ ہے کہ حضرت ابوذر جمعہ کی نماز میں اس وقت مسجد میں آتے ہیں

جب خطبہ شروع ہو چکتا ہے حالانکہ تبکیر یعنی سویرے آنے کی جمعہ کی نماز میں سخت تاکید ہے اور عموما عہد نبوت بلکہ عہد خلافت راشدہ میں بھی تاخیر کرنے والوں سے باز پرس ہوتی تھی۔ اس کے سوا اگرچہ قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوذر کی یہ گفتگو نماز میں ہوئی لیکن حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ فرمانا۔

مالك من صلوٰتك الا مالغوت | تم کو اپنی نماز سے صرف لغو گوئی ملی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لغو گوئی نماز میں واقع ہوئی تھی۔ نیز حضرت ابوذر کا یہ کہنا کہ کنت بجنب ابی (میں اُبی کے پہلو میں تھا) بظاہر اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ نماز ہی کا ہے اور نماز کا نہ بھی ہو تو خطبہ میں ہونا تو اس کا قطعی ہے۔ اور کلام کے عدم جواز کا حکم جس طرح نماز میں ہے خطبہ میں بھی ہے خود حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نماز جمعہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے مالم یلغ (لغو گوئی سے جب تک پرہیز نہ کرتا رہے) کی قید لگاتے تھے۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ان تمام امور کے مرتکب ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اگرچہ حضرت اُبی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے فتویٰ کی توثیق ہوئی لیکن ابوذر کو بھی کچھ سمجھایا گیا۔ کوئی سرزنش کی گئی۔ کچھ پوچھا گیا۔ روایت اس سے ساکت ہے۔ ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ابوذر جس حال میں تھے اس میں ان امور کی گنجایش بھی واللہ اعلم بالصواب۔

امامت کیلئے پیش قدمی | قطع نظر اس کے کہ شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ کسی دوسرے کی مسجد یا دوسروں کے گھر میں بغیر اس

ے مسند احمد صفحہ ۱۴۸/۲۷ ج ۳ - ۱۲

مسجد کے امام اور مالک خانہ کی اجازت کے امامت کے لئے خود پیش قدمی نہ کرنی چاہئے۔ یوں بھی آدمی دوسرے کے گھر میں امامت سے شرماتا ہے خود ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ امامت کرنے کا خواہ مخواہ شوق بھی تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جب ربذہ جس کا ذکر آئندہ آتا ہے پہنچے وہ ایک معمولی جگہ تھی۔ اونٹوں کا چرانے والا ایک حبشی غلام چند لوگوں کے ساتھ نماز پڑھایا کرتا تھا حسب دستور وہی امامت کے لئے آگے بڑھا لیکن حضرت ابوذر کو دیکھ کر پیچھے ہٹا۔ اور اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھیں۔ لیکن آپ نے فرمایا۔ کما انت۔ جس طرح کھڑے ہو کھڑے رہو یعنی امامت کراؤ۔

ایک اونٹ چرانے والے کے ساتھ آپ کا یہ حال ہے۔ اب عالم وارفتگی کا ایک واقعہ سنئے۔ انصاریوں کے ایک آزاد کردہ غلام ابو سعید نامی نے حضرت ابوذر، عبد اللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعوت کی نماز کا وقت آیا تو مالک خانہ کے بغیر اجازت کے بڑے بڑے صحابیوں کے ہوتے ہوئے حضرت ابوذر خود ہی امامت کے لئے آگے بڑھ گئے۔ حضرت حذیفہ نے ٹوک دیا فرمایا ابوذر پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی مالک خانہ کی اجازت کے بغیر تم خود کیسے آگے بڑھ گئے اب ہوش آیا پلٹ کر حضرت ابن مسعود سے پوچھتے ہیں اکذالک ابن مسعود۔ کیا مسئلہ یونہی ہے ابن مسعود۔ انھوں نے فرمایا ہاں۔ سنتے ہی آپ پیچھے ہو گئے (بیہقی ص۱۲۶ ج ۳) کیا حضرت ابوذر کے ان حالات کی یہ تاویل نہ کی جائے تو یہ کیا مان لیا جائے وہ بھی اس زمانہ کے ان عالموں میں تھے جن کو خواہ مخواہ امامت کا شوق ہوتا ہے۔

ہاں قصداً ہوش و حواس رکھتے ہوئے اگر کوئی ان باتوں کا ارتکاب کرے گا خواہ نفل ہی کیوں نہ ہو تو یہ یقیناً ناجائز ہے کہ دین کے ساتھ تلاعب

وہو کے مرادف ہے۔

الحاصل ان چند واقعات کے درج کرنے سے میرا مقصود صرف اس قدر ہے کہ حضرت ابوذر کو میں نے جو کچھ سمجھا ہے دیکھنے والے غور کریں کہ آیا اس کا کوئی منشا ہے بھی یا نہیں۔

اور اسی لئے میں اپنے دعوی کو زیادہ موثق، وزن دار بنانے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت بھی اسی کے تحت میں درج کئے دیتا ہوں۔ اس سے آپ کی علمی وسعت و تبحر کا بھی اندازہ کیا سکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی شہادت

کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ آپ حضرت ابوذر کو کیسا خیال فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

وعی علما عجز فیہ | انھوں نے ایک علم کو محفوظ کیا جس میں وہ عاجز ہو گئے

عموماً علمائے حدیث اس جملے کو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود متحیر ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔[1]

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ بعضوں کا خیال ہے " کہ جو کچھ ان کے پاس تھا اس کو ظاہر نہ کر سکے"۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ "جس علم کو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے اُسے حاصل نہ کر سکے"۔ واللہ اعلم امیرالمومنین کرم اللہ وجہہ کا واقعی مقصد کیا ہے۔

لیکن میرے نزدیک تو اس جملہ کا مطلب بالکل کھلا ہوا ہے۔

---

[1] حتی کہ شیخ ابوعمرو بن عبد البرؒ کو جب عجز فیہ کی کوئی صحیح توجیہ نہ معلوم ہو سکی تو انھوں نے استیعاب میں عجز فیہ کے لفظ کو عجز عنہ سے بدلدیا۔ یا ممکن ہے نسخ طباعت کی وجہ سے یہ اختلاف پیدا ہو گیا ہو بعام طور سے پیدا ہو جاتی ہیں ۱۲۔ استیعاب ج ۴۔ مطبوعہ حیدرآباد

اور انشاء اللہ واقعیت سے وہ بہت زیادہ قریب ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھتے تھے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم انھیں سکھاتے تھے عموماً وہ علوم ایسے ہوتے تھے جن کو براہ راست عمل سے تعلق تھا۔ کیونکہ اعتقادات کے باب میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اجمال و ایمان بالغیب کے مضبوط و محفوظ اصول کو پیش نظر رکھا۔ جو کچھ بھی تفصیل دی وہ محض عملیات کی کی۔ ماسوا اس کے عام طور پر عقاید کے متعلق جو یہ مشہور ہے کہ وہ صرف ماننے اور ایمان لانے کی چیزیں ہیں۔ عمل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے میرے نزدیک یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ ظاہری اعمال کی پابندی یقیناً ایک بڑی آزمایش اور شریعت کا اہم مطالبہ ہے لیکن عقائد صحیحہ جن کو ہم علوم صحیحہ بھی کہہ سکتے ہیں ان کو اپنے اندرونی احساسات یقین واذعان کے ساتھ وابستہ کرنا اور ان کے مقابل جو باطل اور کاذب علوم ہیں ان کو مٹانا جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے اعمال جوارح سے یہ زیادہ مشکل ہے۔ بہرحال عقاید ہوں یا اعمال عمل کی دونوں میں ضرورت ہے۔

حضرت ابوذر میں قبول و اثر پذیری کا مادہ جتنا تیز تھا وہ تم پڑھ چکے اور واقعات سے خود بھی اندازہ لگا سکتے ہو۔ یہی وجہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ جو کچھ سنتے تھے ٹھیک اسی طرح اس پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ بلا کسی چون وچرا کے جس طرح آپ سے سنتے کوشش کرتے کہ اسی طرح ہم اسے ادا بھی کردیں وہ چاہتے تھے کہ میرا علمی نقشہ عملی نقشہ پر پورے طور سے منطبق ہو جائے

اس باب میں ان کو اس قدر غلو اور تشدد تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی

قوت بھی اگر اس معاملہ میں آڑے آجاتی تو آپ کو اس کی بالکل پروا نہ ہوتی تھی۔ واعظانہ مشورے ناصحانہ پند و تذکیر مرتے دم تک ان کو اس مرکز ثقل سے ہلا نہ سکی۔ حتیٰ کہ اپنے اسی امتیاز پر آپ کبھی ناز بھی کرتے فرماتے کہ

"لوگو! میں قیامت کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں سب سے زیادہ قریب رہوں گا کیونکہ میں نے سنا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سب سے زیادہ قریب قیامت کے دن مجھ سے وہ شخص ہوگا، جو دنیا سے اسی حال میں رخصت ہو جس حال میں میں اُسے چھوڑ کر جاؤں اور قسم خدا کی اب تم میں کوئی ایسا نہیں رہا جو اپنی پہلی حالت پر قائم ہو۔ اور اس کے ساتھ کوئی نئی چیز نہ لپٹ گئی ہو، بجز میرے[1]"

اور یہ دعویٰ ان کا صرف ذاتی نہ تھا، بلکہ سید العالم رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تصدیق کی تھی طبقات میں ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کون ہے جو مجھ سے اُسی طرح آکر ملے گا جیسا میں اُسے چھوڑ جاؤں گا، حضرت ابوذر نے فرمایا کہ "میں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی زبان نے اس کے جواب میں فرمایا۔

صدقت | سچ کہتے ہو (یعنی تم اسی حال میں ملو گے جس حال میں تمہیں چھوڑوں گا)

خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے۔

اب دنیا میں کوئی نہیں رہا۔ جو خدا کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعن و شناعت سے نہ ڈرتا ہو۔ سوائے ابوذر کے۔

---

[1] طبقات ابن سعد، مسند احمد ۱۲

اور اخیر میں خود اپنی چھاتی پیٹتے اور فرماتے۔

"وحتیٰ کہ میں بھی اپنے نفس کو مستثنیٰ نہیں کرتا"[1]

الغرض "عجز فیہ" کا صاف مطلب یہی ہے کہ وہ اپنے علم اور معلومات سے مغلوب و عاجز آگئے تھے جو کچھ جانتے تھے اس کے خلاف کرنے پر گویا قادر نہیں رہتے تھے تعجب ہے کہ امیر کرم اللہ وجہہ تو

عجز فیہ | علم میں عاجز آگئے

فرماتے ہیں اور بعض شراح حدیث اسے عجز عنہ سمجھ کر اپنے خود ساختہ معانی کو اس پر خواہ مخواہ منطبق کرنا چاہتے ہیں اور بعضوں نے تو یہ کیا کہ جب اس لفظ پر ان کا مطلب چسپاں نہ ہوا تو انھوں نے فی کے لفظ کو عن سے بدل دیا جس کا میں حاشیہ میں ذکر کر آیا ہوں۔

اور یہ بالکل سچ ہے کہ تعمیل ارشادات نبویہ میں جو نمونہ حضرت ابوذر نے دنیا کے آگے پیش کیا اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے علم سے بالکل مقہور و مغلوب ہو رہے تھے۔

دنیا کی حقارت۔ یہاں کے مال و متاع کی حقیقتوں کے متعلق حضرت ابوذر کو جو کچھ کہا گیا تھا جنھیں مختصر طور پر میں اوپر نقل کر چکا ہوں اس کا مقتضیٰ تھا کہ وہ ایک خشک زاہد صحرائی بن کر زندگی گزار دیتے نہ شادی کرتے نہ بیاہ، نہ آبادیوں میں رہتے نہ اور کچھ سامان کرتے۔

لیکن میں لکھ چکا ہوں کہ اسی کے ساتھ ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی سکھایا تھا کہ دنیا میں رہ کر زاہد بننے کی کوشش کرو۔ ٹھیک ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق۔

---

[1] طبقات ۱۲

گویا نظارہ خدا کے آگے پیش کرو۔ ان دونوں باتوں کو مساوی طور پر قائم رکھ کر دنیا میں رہنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ دشوار گزار راستہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ ابھی گزر چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر سے یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر احد کا پہاڑ سونا ہو جائے تو اس کی وقعت میرے سامنے اس سے زیادہ نہیں کہ تین دن میں سب کو لٹا دوں۔" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی جاہ و منال کی طرف مطلق توجہ کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی کے مقابلہ میں حضرت ابوذر ہی کے سامنے آپ عکاف صحابی سے پوچھتے ہیں کیا تمھارے پاس بیوی بھی ہے؟ عکاف نے کہا "جی نہیں"۔

آپ نے فرمایا! کہ اگر بیوی نہیں تو کوئی کنیز و لونڈی (یعنی شرعی حرم) بھی ہے؟ عکاف نے کہا کہ وہ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم فارغ البال صاحب فراخی نہیں ہو؟ عکاف نے کہا کہ جی میں دنیا کی جانب سے مطمئن اور خوش ہوں (یعنی مالدار ہوں)

آپ نے فرمایا کہ اب تم شیطان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اگر تم نصرانی ہوتے تو ان کے راہبوں میں شمار کئے جاتے۔ نکاح میرے طریقہ میں داخل ہے تم میں سب سے زیادہ بد وہ لوگ ہیں جو مجرد اور کنوارے ہیں۔ سب سے ذلیل ترین کمینے وہ مرد ہیں جو بحالت تجرد زندگی گزار کر مر جاتے ہیں؛

کیا تم لوگ شیطان کے تختہ مشق بننا چاہتے ہو' شیطان کا وہ ہتیار جو اچھے لوگوں میں بآسانی اتر جاتا ہے صرف عورت ہے۔ ہاں جنھوں نے شادیاں کیں وہ لوگ پاک دل والے ہیں۔ سیاہ اعمال سے دور اور کنارہ ہیں۔

عکاف تجھ پر افسوس ہے! یہی عورتیں تھیں' جنھوں نے ایوب' یوسف' داؤد

یوسف کے ساتھ کیا کیا۔ بشر بن عطیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے پوچھا کہ حضور یہ کرسف کون شخص ہے آپ نے فرمایا کہ کسی گزشتہ زمانہ میں اس نام کا ایک عابد تھا جو کسی دریا کے کنارے بیٹھ کر تین سو برس تک عبادت میں مصروف رہا۔ وہ دن بھر روزے رکھتا تھا اور رات بھر نمازیں پڑھتا۔

آخر ایک دن کسی عورت کے عشق میں مبتلا ہوا اور ساری ریاضتوں کو چھوڑ کر اسی کے پیچھے دیوانہ ہوگیا۔ بہرحال اخیر میں اس کی حالت درست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پھر متوجہ ہوا خداوند تعالیٰ اس کے قصور سے درگزر کیے۔[1]

اس کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عکاف کی طرف پھر متوجہ ہوئے اور سمجھانا شروع کیا۔

"عکاف تجھ پر افسوس! نکاح کر! ورنہ تو ہمیشہ مذبذب رہے گا یعنی طمانیت وسکینت تجھے حاصل نہیں ہو سکتی۔"

عکاف نے اس کے بعد درخواست کی کہ حضور تو آپ ہی میرا عقد جس سے چاہیں کردیں آپ نے فرمایا کہ کریمہ بنت کلثوم حمیری سے میں نے تیرا نکاح کردیا[2]

اس حدیث سے نکاح کا مسئلہ جس قدر اہم ہو جاتا ہے اُسے کون نہیں سمجھتا۔ اور شادی کے بعد دنیاوی الجھنوں کا جو طوفان اُمنڈتا ہے آج اس سے کون واقف نہیں۔

مگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو ان نبوی علوم نے اسی طرح عاجز ولاچار بنادیا تھا کہ انھوں نے یہ بھی کیا اور وہ بھی کیا۔ غایت احتیاط کے ساتھ نباہ کر ایک عجیب وغریب قوت عملیہ کا ثبوت اُنھوں نے پیش فرمایا۔

---

[1] یعنی عورتوں کی وجہ سے ان لوگوں کو بعض فتنوں میں مبتلا ہونا پڑا جس کی تفصیل کتب تفسیر میں موجود ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ انبیائے معصومین کسی حرام فعل کے العیاذ باللہ مرتکب ہوئے ۱۲ [2] مسند احمد ۱۲

آپ کا اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ

شلاً تم پڑھ چکے کہ آپ میں مجذوبیت بھی تھی، دارفتگی بھی تھی۔ استغراق بھی تھا سب کچھ تھا مگر باوجود ان تمام باتوں کے، آپ ہمیشہ ایک عورت اپنے پاس رکھتے تھے کسی معمولی سفر میں بھی جاتے تو عموماً آپ کی بیوی ہمراہ ہوتیں۔ اور اس میں آپ محض مجبور و لاچار تھے آخر عکاف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا تم سمجھ سکتے ہو کہ ابوذر کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوا ہوگا، جس قسم کی تسلیمی جذبات حضرت ابوذر کے سینے میں موجزن تھے حق تو یہ ہے، ان کو دیکھتے ہوئے پھر اس فعل پر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

الغرض ان وجوہ سے تو آپ نکاح کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ آپ کا برتاؤ کس قسم کا تھا، قاعدہ ہے کہ جب عورت انسان کے گھر آتی ہے تو خواہ فطرتاً آدمی کے مردہ احساسات زندہ ہوجاتے ہیں۔ کسی قسم کا شخص ہو لیکن اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اسے اچھے کپڑے پہنائے۔ عمدہ زیوروں سے اسے آراستہ کرکے اپنی آنکھیں سینکے، عطر اور پھول سے ہمیشہ اس کے جامہ و بدن کو معطر رکھے۔ یہ کرے وہ کرے۔ الغرض قدرتاً اس قسم کے خیالات اولاً تو خود ہی دماغ میں ابھرتے ہیں۔ پھر نئی نویلی دلہنوں کی فرمائشوں کی بدولت یہ کریلا اور بھی نیم پر چڑھ جاتا ہے۔ اور اس کا آخری انجام اکثر یہی ہوا ہے کہ انسان اس مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے ہر ایک قسم کے وسائل و ذرائع اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اور آہ کہ جس فعل کو وہ کبھی کرنا نہیں چاہتا تھا، اس کے کرنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ بسا اوقات کر گزرتا ہے۔ ایک کاری سحر چلتا ہوا جادو ہے۔ جس کے بعد کم روحیں نسوانی منتروں کے ہوش ربا

تاثیروں سے نجات پا سکی ہیں۔

مگر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی شان عاجزی کو دیکھو! اندازہ کرو کہ نبوی احکام و تعلیموں نے ان کو اپنا کس قدر مقہور و مغلوب بنا رکھا تھا وہ نکاح بھی کرتے ہیں اور جب ان کی بیوی صاحبہ فرمایش کرتی ہیں تو آپ گھر سے نکل کر مجمع عام میں فرماتے ہیں۔

"تم لوگ اس کالی کلوٹی کو دیکھتے ہو۔ مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ اور جب میں وہاں جاؤں گا تو مسلمان میری طرف روپے پیسے لیکر جھکیں گے، لیکن ہم کیا کریں۔ ہمارے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے عہد لیا ہے کہ پل صراط کے قریب ایک راستہ ہے جس پر پاؤں پھسل جاتے ہیں۔ اس پر میں ہلکا پھلکا چلوں۔ یہی ہمارے لئے بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ روپے اور پیسوں کے بوجھ میں لدا ہوا گراں بار ہو کر اسے عبور کروں[1]"

صرف اس قدر کہہ کر آپ ان فرمائشوں کو ٹال دیتے، جو کچھ حلال اور پاکیزہ طریقہ سے آپ کے پاس آتا تھا وہی دیدیتے اس کے بعد نہ ان کی فرمائشوں کی پروا کرتے نہ اپنی نفسانی خواہشوں سے متاثر ہوتے کہ یہاں نفس باقی ہی کب تھا وہ تو شادی بھی نہ کرتے لیکن عکاف کی مجلس کی داستان نے آپ کو مجبور و معذور کر دیا تھا۔

آپ کی بیوی جبا کی حالت یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنی حرم محترمہ کی زیب و زینت و آرائشگی کا کبھی خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ اولاً آپ کے نکاح کے لئے صرف عورت شرط تھی اس کے بعد اس سے بالکل بحث

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

نہیں ہوتی تھی کہ وہ کیسی ہو کس رنگ کی ہو وغیرہ وغیرہ

مورخین جہاں آپ کی بیوی کا حال لکھتے ہیں تو ان کی توصیف ہمیشہ ان لفظوں میں کیجاتی ہے۔

تحتہ امراۃ سحماء | حضرت ابوذر کے ساتھ ایک کالی عورت بیاہی تھی

عبداللہ بن خراش کعبی[۴] کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن آپ سے کہا بھی کہ آپ نے یہ کیا کالی کلوٹی عورت سے نکاح کیا ہے تو فرمانے لگے کہ بھائی جس بیوی کی وجہ سے لوگ مجھے ذلیل خیال کریں اسے میں ایسی عورت سے بہتر سمجھتا ہوں جس کی وجہ سے لوگوں میں میری خاص وقعت ہو۔ کہ یہ وہ شخص ہے جس کی بیوی نہایت پری پیکر اور عالی خاندان ہے

ان کی زیب و زینت اور نہ صرف اس قدر کہ وہ امرۃ سحما تھیں بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کو ان کی زینت وزیبایش بناؤ سنگار سے بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ صرف نکاح کر لیا تھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی۔

ابو اسماء رحبی کہتے ہیں کہ میں نے آپ کی بیوی کو ایک دفعہ دیکھا تھا نہ ان کے کپڑے خوشبو میں بسے ہوئے تھے اور نہ اُن کے بدن پر اور کسی قسم کی زیب و زینت کا نشان تھا[۵]

زیور میں نے بہت تلاش کیا لیکن غایت جستجو کے بعد طبقات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بیوی صاحبہ کے کان میں بالیاں پڑی ہوئی تھیں[۵]۔ اس کے علاوہ اور کسی زیور کا پتہ نہیں چلتا۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ بالیاں سونے کی تھیں یا چاندی کی۔ یا کسی اور دھات کی۔

۵۔ طبقات ۱۲ ۵۔ طبقات ابن سعد ۱۲

الغرض نبوت سے جو علم ان کو ملا تھا اس سے آپ کی یہی عاجزیاں ہیں جن کی طرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اشارہ فرمایا۔ اللہ اکبر زہد کا تقاضا ہے کہ شادی بھی نہ ہو گھر بھی نہ ہو در بھی نہ ہو کچھ بھی نہ ہو۔ اور شادی کا تقاضا ہے کہ دنیا کے تمام سازوسامان ہوں یہ بھی ہو وہ بھی ہو۔

ابوذر ہی کا کلیجہ تھا کہ ان چٹانوں کو سینے پر رکھا، اور بغیر کسی تشویش کے دونوں کو جمع کر کے دکھا دیا۔ ع

بر لب کوثر بداغ تشنگی خو می کنم

کا ایک حیرت انگیز نظارہ حضرت ابوذر کی زندگی میں نظر آتا ہے۔

آپ کا گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راہبانہ صحرانوردیوں سے روکا بھی تھا۔ اور اس دنیا کو ایک گزرگاہ اور راستہ سے تشبیہ دے کر اپنے آپ کو ایک مسافر بھی قرار دیتے تھے۔ فرمایا کرتے کہ میری مثال دنیا میں اس مسافر کی مانند ہے جو کسی چھاؤں کے نیچے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں ارشادوں میں عملی تطبیق اس طرح دی تھی کہ آپ جب تک مدینہ منورہ میں رہے زیادہ تر ادھر اُدھر پڑ رہتے۔ کبھی مسجد میں کبھی صفہ میں سو جاتے اور اس کے بعد آپ جہاں کہیں رہے کمل کے خیمہ میں رہے۔ شام کے غدار شہر دمشق میں بھی جب تک آپ رہے مشت صوف کے جھونپڑے ہی میں رہے[1]۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ اسی قسم کے خیموں میں اپنی زندگی گذار دی۔ حتیٰ کہ جس مکان میں آپ نے اپنی آخری سانس پوری کی اس وقت بھی دیکھنے والوں نے یہی دیکھا کہ صوف کے معمولی خیمہ میں

---

[1] طبری کامل وغیرہ ۱۲

حضرت ابوذر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔[۱] پس اگرچہ وہ پہاڑ کی کھوہ میں نہیں گئے لیکن شہروں کے وسط میں ہی آپ نے کھوہ بنا لیا تھا اور یوں ع

ایں طرفہ تماشہ بیں لبِ تشنہ باآب اندر

کے خیالی تصور کی واقعی تصویر۔ اپنی پوری زندگی سے کھینچ کر اُنھوں نے دکھادی تھی

روپے پیسے کے متعلق آپکی تدبیر

میں لکھ چکا ہوں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "کہ اے ابوذر! جس سونے اور چاندی پر گرہ لگائی گئی وہ اس کے مالک کے لئے انگارے ہیں" ادھر تو یہ ارشاد فرمایا جاتا تھا، دوسری طرف حکم تھا کہ "بہترین کاموں میں یہ ہے کہ لوگوں کو کثرت سے سلام کیا کرو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور رات کو نمازیں اس وقت پڑھو جس وقت دنیا کے لوگ سو چکے ہوں"۔ ظاہر ہے کہ مہمان نوازی کے لئے ازبس ضرور ہے کہ انسان کے پاس کچھ پس انداختہ ہو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ان دونوں فرمانوں میں اس طرح تطبیق دی تھی کہ آپ کا سالانہ وظیفہ جس وقت بیت المال سے ملتا اُٹھتے اور اپنی لونڈی کو ساتھ لے کر سال بھر کا سامان خرید لیتے۔ اس کے بعد لٹانے بانٹتے۔ پھر جو کچھ بچ جاتا۔ اُس کے پیسے بھنا لیتے لوگ پوچھتے کہ تمام روپوں کو پیسے بنانے کی کیا ضرورت تھی آپ فرماتے کہ چاندی اور سونے کے رکھنے کی مجھے اجازت نہیں اس لئے میں اسے پیسے بنا لیتا ہوں تاکہ میں ان لوگوں میں نہ رہوں جن کے لئے حضور نے دھمکیاں ارشاد فرمائی ہیں۔

الغرض آپ اپنی معلومات سے محض مغلوب و مقہور رہے تھے۔ جو کچھ

---

[۱] طبقات صفحہ ۱۸۲ ۱۲

سنا تھا وہ آپ کو مجبور کر کے اس پر عمل پیرا بناتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کی حکومت فرمائیاں اس طرح اور کسی پر شاید ہوئی ہوں گی۔ امیر کرم اللہ وجہہ نے سچ فرمایا۔ بلا شبہ یہی بھید تھا جس نے آپ کو مجذوب اور بہلول بنا دیا تھا

میں سمجھتا ہوں کہ ان تمام مباحث پر جو اس وقت تک پیش ہو چکے ہیں غور کرنے کے بعد حضرت مرتضیٰ علیہ السلام کے قول "عجز فیہ" کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی آپ کی مجذوبیت کی شہادت دی ہے اس سے مراد یہی تھی۔

اخیر میں ہم ان چند خصوصیتوں کو بھی درج کرتے ہیں جو طائفہ مجاذیب کے ساتھ مخصوص ہے اور شیوہ جذب و سرمستی کے ساز و سامان میں شمار کیا جاتا ہے

ظرافت

اس وقت تک حضرت ابو ذر کے جتنے حالات تم پڑھ چکے اس سے گمان ہوتا ہے کہ آپ کے مزاج میں خوش طبعی اور ظریفیت کا مادہ موجود نہ تھا۔ حالانکہ مجذوبوں کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ گو بظاہر وہ ہمیشہ ترش چیں بہ جبیں نظر آتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا نے ان ہی مجذوبوں کے ان قہقہوں کو بھی ہمیشہ سنا ہے جس کا سلسلہ اگر شروع ہوا تو پھر کبھی نہیں رکا۔ اور ان کی سادگی میں کجی کو اور کجی میں سادگی کو سموتے ہوئے تو کسی نے نہیں دیکھا غصہ میں مسکراہٹ اور مسکراہٹ میں غصہ اس طبقہ کا خصوصی شیوہ ہے۔

بہرحال حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی کبھی یہ حالت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن آپ کسی مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمانے لگے۔

> او کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص پیش ہوگا، فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ پہلے اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو۔ فرشتے اس کے آگے

اس کے چھوٹے گناہوں کی فہرست اس طرح پیش کریں گے کہ تم نے فلاں دن یہ کہا۔ فلاں دن یہ کیا وہ بیچارا اس کا اقرار کرتا جائیگا اور دل میں ڈرے گا کہ دیکھئے جب کبائر کی فہرست پیش کی جائیگی تو کیا ہوگا۔ فرشتے جب صغائر پوچھ کر فارغ ہوجائیں گے تو آواز آئے گی کہ اس کو ہر ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دیتے چلے جاؤ اس رحیمانہ فرمان کے سنتے ہی وہ شخص غل مچانے لگے گا، شور کرے گا۔ کہ فرشتو! ٹھیرو! ابھی ہمارے پاس اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں ان کو بھی گن لو، میں اس فہرست میں انھیں نہیں دیکھتا" (یعنی ان کے عوض میں بھی مجھے نیکیاں ملنی چاہئیں")

حضرت ابوذر اس نقطہ پر آکر ٹھیر جاتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب اس حدیث کو بیان کرتے تو اس قدر ہنسا کرتے کہ آپ کی ڈاڑھیں کھل جاتیں۔[1] اس کے بعد حضرت ابوذر کس قدر ہنسا کرتے اس کا اندازہ تم خود ہی لگا سکتے ہو۔ خصوصاً جب آپ یہ بھی معلوم ہے کہ حدیث بیان کرتے وقت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام عادت یہ بھی تھی کہ قول کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو بھی کرکے دکھاتے جو حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کرتے۔

بدبخت عبداللہ بن زیاد جسے مسلمان ابن زیاد کے نام سے جانتے ہیں جب کوفہ کا امیر ہوا تو اپنے پیش رو گورنروں کے خلاف جماعت کی نماز میں تاخیر کرنے لگا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے عبداللہ بن صامت نے دریافت کیا کہ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے۔ کیا ہم لوگ بھی اپنی نمازوں کو مکروہ اوقات تک موخر کریں۔ عبداللہ بن صامت فرماتے ہیں یہ سنتے ہی حضرت ابوذر نے میرے زانو پر

---

[1] صحاح خصوصاً ترمذی دیکھئے اور مسند احمد ۱۲

ہاتھ مارا اور فرمانے لگے سنو! میں نے اپنے خلیل (دوست) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا تھا کہ ایسی صورت میں کیا کروں گا آنحضرت نے میرے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

صلی الصلوٰۃ لوقتہا فان ادرکت فصل معھم ولا تقل انی صلیت فلن اصلی معھم (مسند احمد)	تم اپنی نماز وقت پر ادا کر لیا کرو۔ اب اگر ان رہبروں کے ساتھ بھی نماز کا موقع آجائے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو نماز پڑھ چکا ہوں ان کے ساتھ نہ پڑھوں گا۔

ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ حضرت ابوذر باب کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے فرما رہے ہیں۔

جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہے۔ اور جو نہیں جانتے ان کو اب جاننا چاہیئے کہ میں جندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہوں پھر فرمایا کہ جس طرح میں کعبہ کی زنجیر پکڑے ہوئے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کعبہ کی زنجیر کو پکڑے ہوئے یہ فرما رہے تھے بحدیث (بیہقی)

دوسری ظرافت

نعیم بن قعبت الریاحی کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھر پر ڈھونڈھا تو معلوم ہوا کہ آپ یہاں تشریف نہیں رکھتے ہیں۔ آپ کی بیوی صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے فرمایا۔

"وہ سامنے ان کی کچھ زمینیں ہیں وہیں ہوں گے"

جب میں ادھر چلا تو دیکھتا ہوں کہ آپ کے آگے آگے دو۲ اونٹ ہیں جن کے گلے میں مشکیں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ انہیں پیچھے سے ہنکاتے ہوئے

چلے آرہے ہیں۔ میں آگے بڑھ کر آپ سے ملا۔ اور ساتھ ساتھ مکان پر آیا۔ آپ نے مشکیں اتاریں۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو۔ میں نے کہا کہ آپ سے ملنے کی مجھے تمنا بھی تھی اور آپ کی ملاقات سے مجھے نفرت بھی تھی۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! یہ دونوں باتیں کیونکر ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

نعیم نے کہا کہ میں نے اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے۔ اب مجھے اس کی فکر ہے کہ میرا گناہ معاف ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اگر ہو سکتا ہے تو اسکی کیا صورت ہے۔ اس کا کفارہ بھی ہے یا نہیں۔

پس جب دل میں یہ خیال آتا تھا کہ آپ ہی میرے لئے کوئی راستہ پیدا کریں گے اس وقت ولولہ ہوتا تھا کہ آپ سے مل ہی لوں۔ پھر کبھی خطرہ ہوتا تھا کہ کہیں آپ نے مجھے مایوس العلاج قرار دیا تو یہ عمر بھر کا ایک غم میرے ساتھ لگ جائے گا اور اس کے بعد مجھے آپ سے نفرت پیدا ہو جاتی تھی[لہ]۔

حضرت ابوذر نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ حرکت تم نے کفر کے زمانہ میں کی ہے یا اسلام میں نعیم نے کہا کہ ایام کفر میں۔ حضرت ابوذر نے فرمایا! تو پھر کیا پروا ہے (یعنی اسلام خود ہی تمام گناہوں کا کفارہ اور کفر کے زمانہ کی ہر قسم کے گناہوں کو ڈھا دینے والا ہے)

نعیم سے یہ فرمانے کے بعد آپ اپنی بیوی کی طرف مخاطب ہوئے اور کچھ سر سے اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مہمان کے لئے کچھ کھانا لاؤ۔ بیوی صاحبہ

لہ اس قسم کی متضاد کیفیتیں مجذوبوں کی جانب سے عام طور پر دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ دعا و بددعا کی امید و خوف میں ہر شخص ان کی جانب سے یہی دونوں خیال رکھتا ہے ۱۲ منہ

یہ سنتے ہی برس پڑیں یعنی ایک تو کماتے کجاتے نہیں اور اس پر مہمان نوازی کا شوق۔

آپ نے پھر بھی نہایت نرمی سے کہا کہ بیچارے کے لئے کچھ لاؤ۔ لیکن وہ تھیں کہ بگڑ رہی تھیں حتیٰ کہ آپ نے تیسری بار کچھ زور دے کر فرمایا کہ لاتی بھی ہو یا نہیں لیکن وہ کب سننے والی تھیں۔ اس طرح الجھ پڑیں اور الجھتی رہیں کہ آخر میں آپ نے گویا ہنس کر فرمایا کہ

"اری کس قدر بدو ہو گی۔ تم کہیں اس سے بھی آگے نکل سکتی ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کی شان میں ارشاد فرما چکے ہیں"۔

نعیم تو وہیں کھڑے تھے، بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں کے بارے میں کیا فرمایا ہے آپ نے فرمایا۔

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ یہ عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہیں اگر انھیں سیدھی کرنا چاہو گے تو یہ ٹوٹ جائینگی اور اگر یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی لیکن کچھ کام بھی چلتا رہے گا"[1]

یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئیں اور خشک ثرید کے کچھ ٹکڑے لے آئیں، آپ نے نعیم کو کہا کہ "بس تو شروع کیجئے اور اس کا خوف نہ کیجئے کہ میں کیوں شریک نہیں ہوا۔ کیوں کہ میں روزہ دار ہوں"۔

یہ کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ نعیم کہتے ہیں کہ میں کھا رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ وہ نماز میں کسی چیز کا انتظار کر رہے ہیں حتیٰ کہ جب اُنھوں نے اندازہ کر لیا کہ

[1] مسند احمد ۱۲

اب مجھے سیری ہو گئی ہو گی۔ فوراً سلام پھیر کر بیٹھ گئے، اور ہاتھ بڑھا کر کھانا شروع کیا۔ مجھے ان کی اس حرکت پر سخت حیرت ہوئی اور بے ساختہ زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔

حضرت ابوذر نے جب مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنسنے لگے اور فرمایا کہ تم کو کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ اگر میں انسانوں میں کسی کو جھوٹ بولنے والا خیال بھی کرتا تو کم از کم تم کو تو ان لوگوں سے میں مستثنیٰ سمجھتا تھا۔"

حضرت ابوذر نے فرمایا۔ تیرے ماں باپ خدا پر قربان ہوں۔ جب سے تم آئے اور اسوقت سے اس وقت تک تمہارے سامنے میں کیا جھوٹ بولا۔

میں نے کہا خوب، ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ میں روزہ دار ہوں حضرت ابوذر نے کہا کہ ہاں! بعد اس کھانے کے بھی روزہ دار ہوں اور رہوں گا۔ کیونکہ اس مہینہ کے تین دنوں ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ میں روزے رکھ چکا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان تین دنوں میں روزہ رکھا اس نے گویا مہینے بھر کا روزہ رکھا (یعنی ہر روزہ کے بدلے میں دس روزہ کا ثواب ملا اور اسی طرح تین روزوں کے عوض میں ۳۰ روزوں کا ثواب حاصل ہوگا) پس آج میرا روزہ بھی ہے اور اس کا اجر بھی ہے اور تمہارے ساتھ کھا بھی رہا ہوں۔[1]

حضرت ابوذر جب شروع شروع مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کی آب ہوا کچھ ان کے لئے سازگار نہ ہوئی۔ بیمار پڑ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بغرض علاج اور تبدیل آب وہوا ان کو حکم دیا کہ بیت المال کی مویشیاں (اونٹ

---

[1] مسند احمد ۱۲۔

اور بکریاں) جہاں چرتی ہیں وہیں جا کر چند ے قیام کرو یہ بھی ارشاد ہوا تھا کہ صرف اونٹنیوں اور بکریوں کے دودھ پر رہیں بعض روایتوں میں[1] ہے کہ علاجاً ان جانوروں کے پیشاب کے استعمال کی بھی اجازت ہوئی تھی (محدثین کا خیال ہے کہ یہ استسقائ کا علاج ہے ممکن ہے کہ حضرت ابوذر پر استسقاء کی علامتیں ظاہر ہوئی ہوں) بہر حال حضرت ابوذر اسی صحرائی علاقہ کی طرف روانہ ہوے چوں کہ بیمار تھے اس لئے بیوی کو بھی ساتھ لیا۔ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا۔ مجبوراً حضرت ابوذر کو دودھ ہی پر گزر کرنا پڑا اچھی آب و ہوا، پرہیز سخت، نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد آپ کی حالت بدل گئی یہ شباب کا زمانہ تھا، بیوی ساتھ تھیں، یہ سوچے بغیر کہ آخر اس وادی میں پانی ملے گا یا نہیں۔ غسل کی کیا صورت ہوگی۔ اپنے اوپر غسل واجب کر لیا۔ اب ہوش آیا تو پانی کا میلوں پتہ نہیں۔ غسل کے بدلہ میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے یا نہیں حضرت ابوذر کو اس وقت اس کا بھی علم نہ تھا۔ نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہوا کچھ سمجھ میں نہ آیا بجز اس کے کہ ان اونٹوں میں ایک تیز رفتار اونٹ کی پیٹھ پر لدے اور جتنی تیزی سے بھگا سکتے تھے افتاں خیزاں مدینہ پہنچے، خود فرماتے ہیں ٹھیک نصف النہار کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ آپ مسجد کے سایہ میں صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا۔ حضور نے سر مبارک اوپر کی طرف اٹھایا مجھے دیکھ کر بے ساختہ آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے۔

سبحان اللہ ابوذر	خدا کی شان ابوذر

---

[1] حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۱۲

میں نے وہیں کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ابوذر ہی ہے۔ پھر سارا قصہ بیان کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ کہاں تو بیماری اور ایسی سخت بیماری کہ بعض روایتوں کے اعتبار سے آپ کو اونٹ کے پیشاب تک کے پینے کی نوبت آئی۔ لیکن ادھر طبیعت چاق ہوئی اور غسل واجب کر لیا۔ ان کے اس جذباتی طرز عمل کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بے ساختہ ہنسی آگئی پھر آپ نے آواز دی۔ ایک لونڈی برتن میں پانی لے کر باہر آئی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں کہ اسی وقت اسی اونٹ کے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس جنابت سے میں نے نجات حاصل کی۔ اور اب حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ ابوذر پاک مٹی سے وضو کا کام اس وقت تک لیا جا سکتا ہے۔ جب تک کہ پانی میسر نہ آئے۔ خواہ پانی دس سال ہی تک کیوں نہ ملے۔

ظرافت ہی کے سلسلہ میں غالباً آپ کی ان عادتوں کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ جب آپ سے کوئی پوچھتا کہ کیا آپ ہی ابوذر ہیں تو فرماتے کہ "ہاں! میری بیوی کا یہی خیال ہے" آپ کی صاحبزادی کبھی آپ کے ساتھ ہوتیں، لوگ پوچھتے کہ کیا یہ آپ کی صاحبزادی ہیں اس وقت بھی یہی فرماتے کہ "ہاں! اس کی ماں یہی کہتی ہے"[1]

ایام بیض کے روزوں کو ہمیشہ بھر کا روزہ قرار دینا اس قاعدے سے ایک دفعہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے پاس بھی نفع اٹھایا ہے۔ بیہقی میں ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن شقیق عقیلی حضرت عمرؓ سے ملنے آئے۔ ابھی باہر ہی تھے کہ عبداللہ نے آپ کے چہرہ کی حالت دیکھ کر

---

[1] یہ ساری روایتیں مسند احمد میں ہیں ۱۲

کہا کہ کیا آپ روزے سے ہیں۔ بولے ہاں۔ اتنے میں اندر طلبی ہوئی۔ دیکھتے ہیں کہ ایک بڑے پیالہ میں کھانے کی کچھ چیز رکھی ہوئی ہے۔ حضرت عمر نے کھانے کا اشارہ کیا۔ عبداللہ کے ساتھ حضرت ابوذر بھی پیالہ میں شریک ہو گئے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے انگلیوں سے اشارہ کیا اور یاد دلایا کہ آپ تو روزے سے ہیں۔ جواب میں حضرت ابوذر نے فرمایا مجھے اپنا روزہ یاد ہے۔ بھولا نہیں ہوں۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا۔ یہی نا کہ میں روزہ دار ہوں۔ میں ہر مہینہ کی تین تاریخوں میں چونکہ روزے رکھتا ہوں اس لئے ہمیشہ صائم ہی رہتا ہوں[1]

اس قسم کی اور بھی ظرافتیں آپ سے منقول ہیں مدعا کے ثبوت کے لئے اتنی بھی کافی ہیں۔

لوگوں پر مجذوبانہ انداز کے ساتھ بگڑنا

اس طائفہ کے ساتھ اور باتیں بھی مخصوص ہیں مثلاً جو آدمی ان کے پاس جائے گا۔ اس پر پہلے بگڑیں گے، اسے جھڑکیں گے، اگر زیادہ مغلوب الحال ہو جائے تو سنا ہے کہ گالیاں بھی دیتے ہیں۔

بہرحال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جذب چونکہ جذب کامل تھا اس لئے ہذیان و خرافات تو آپ کی زبان مبارک سے نہیں نکلتے تھے لیکن بگڑنے جھڑکنے کی عادت آپ میں بھی کم و بیش پائی جاتی تھی۔

عوام تو عوام بڑے بڑے جلیل القدر صحابی آپ سے ملنے آتے، ان پر بگڑتے اُن سے بھاگتے، اپنے سامنے سے اٹھا دینے کی کوشش کرتے۔ لیکن چونکہ اس طائفہ کی ان تمام باتوں کو لوگ ان کی مغلوب الحالی پر محمول کرتے ہیں اور آج تک

---

[1] سنن بیہقی ۱۲

یہ طریقہ دنیا میں مروج ہے۔ اس لئے کسی کو آپ کی باتیں بُری نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ آپ جس قدر بیزاری ظاہر کرتے صحابہ اسی قدر آپ سے لپٹتے۔ آپ انھیں بکالتے۔ لیکن قدر شناسان حقیقت ابو ذر کی اور بھی آپ سے قریب ہوتے۔

ایک دن حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن (جہاں کے آپ صوبہ دار اور ناظم تھے) سے واپس آئے تو حضرت ابو ذرؓ سے بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابو ذرؓ کھڑے ہوئے تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ پیچھے سے آکر آپ کی کمر میں لپٹ گئے۔

حضرت ابو ذر آپ کو دیکھتے ہی بگڑنے لگے وہ کمر سے لپٹے ہوئے ہیں اور یہ کہتے جاتے ہیں۔

مرحبا باخی | میرے بھائی مرحبا

مگر آپ کی یہ کیفیت ہے کہ

الیک عنی الیک عنی | ہم سے دور رہو۔ ہم سے دور رہو

فرمارہے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری ایک دُبلے پتلے آدمی تھے اور آپ بھاری بھرکم بدن کے تھے وہ چمٹے ہوئے ہیں اور حضرت ابو ذر جھٹکے دے دے کر چاہتے ہیں کہ کسی طرح ان سے چھوٹ جاؤں۔ دیر تک کشاکش ہوتی رہی۔

"دور رہو دور رہو ہم تم سے ملنا نہیں چاہتے"

آپ کی زبان پر جاری ہے۔ حضرت ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ "دور کیوں رہوں گا۔ تم میرے بھائی ہو"

آپ اس کا جواب دیتے کہ "نہیں اب تم میرے بھائی نہیں رہے۔

تم سے برادری اسی وقت تک تھی۔ جب تک کہ تم کسی صوبہ کے عامل اور ناظم مقرر نہیں ہوئے تھے۔"

الغرض دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور خدا جانے آخر میں ان دونوں نے کیا فیصلہ کیا۔ انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ اخیر میں پھر راضی ہو گئے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ بگڑنے اور خفا ہونے کے بعد پھر نرم بھی پڑ جاتے۔ کیونکہ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو بحرین کے ناظم اور صوبہ دار تھے) جب وہاں سے آئے تو آپ سے ملنے گئے اور اسی طرح کمر میں لپٹ گئے حسب دستور ان کو بھی آپ نے

الیک عنی | مجھ سے الگ رہو۔ دور رہو۔

کہنا شروع کیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

مرحبا باخی | بھائی مرحبا

فرماتے جاتے تھے اور آپ ان کی انگلیاں پکڑ کر چاہتے تھے کہ نکل بھاگوں مگر وہ بھی زبردست تھے۔ کب چھوڑتے آخر تھک کر آپ نے پوچھا، کہ تم ان لوگوں (یعنی خلفائے وقت) کی طرف سے کسی صوبہ کے عامل مقرر ہوئے یا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے صوبہ داری قبول کی۔ آپ نے پوچھا تو صوبہ داری کے زمانہ میں کوئی اونچی کوٹھی بھی تم نے بنوائی۔ کوئی بڑی زمینداری بھی حاصل کی۔ اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ کے تم مالک بھی ہوئے؟

حضرت ابو ہریرہ نے کہا نہیں میں نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز حاصل نہیں کی۔ یہ سن کر خوش ہو گئے اور پھر خود گلے لگا کر فرمانے لگے ہاں! تو تم میرے بھائی ہو، تم میرے بھائی ہو[1]

[1] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔

الغرض عموماً اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناز کرتے۔ اور صحابہ بھی آپ کی ناز برداریوں میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔ آپ ہر شخص کو ڈانٹ دیتے تھے ذرا سی بھی غلطی ہوتی تو ٹوک دیتے نہ کسی سے ڈرتے تھے اور نہ کسی سے دبتے تھے سب کو اپنا ہمعصر ہم جماعت سمجھتے تھے۔ بہرحال اس سلسلہ میں بھی واقعات بہت ہیں لیکن بایں ہمہ ڈانٹ ڈپٹ، غیظ و غضب حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا شمار جلیل القدر صحابیوں میں ہے ایک دفعہ حضرت ابو ذر ان کے سامنے گزر رہے تھے اور وہ اپنے ایک مکان کی تعمیر کرا رہے تھے۔ حضرت ابو ذر نے فرمایا "آخر تم نے بھی پتھر کی چٹانیں لوگوں کے کندھوں پر لدوائیں"۔ حضرت ابو درداء بولے کہ بھائی میں تو ایک مکان بنوا رہا ہوں، مگر حضرت ابو ذر فقرہ بالا ہی کو دہراتے رہے۔ آخر میں حضرت ابو درداء نے کہا شاید آپ کو میرا یہ مکان بنانا ناگوار ہوا۔ حضرت ابوذر بولے، ابو درداء کاش! میں تمھارے سامنے سے گزرتا، اور تم کو اپنے گھر کی غلاظتوں (گھوڑے) پر پاتا۔ یہ اس سے زیادہ پسندیدہ تھا جس حال میں تم کو اس وقت پا رہا ہوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک دن ملاقات ہوئی۔ ان کے ہاتھ میں ایک تلوار تھی جس کے قبضہ پر چاندی چڑھی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر بولے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جس نے پیلے یا سفید (دینار و درہم) کو چھوڑا ان ہی سے قیامت میں وہ داغا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ مطلب سمجھ گئے، اسی وقت تلوار کو ہاتھ سے پھینک دی (بیہقی، صہ ۱۲۳) تم نے دیکھا کہ بجائے جھگڑنے کے حضرت ابو ہریرہ نے تلوار ہی پھینک دی اور جانتے ہو ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن پر آپ اس قدر بگڑے ان کا کیا حال تھا۔ استیعاب میں ہے کہ

جب حضرت ابو درداء کو خبر ہوئی کہ ابو ذر زبدہ چلے گئے، تو فرماتے تھے اگر ابو ذر میرے جسم کی بوٹی بھی اڑا دیتے تو میں ان کو ملامت نہیں کر سکتا تھا۔ اسی ڈانٹ ڈپٹ کے سلسلہ میں آیندہ اس واقعہ کا بھی ذکر آئے گا کہ کعب احبار جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے، تابعین میں شمار تھا حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں بر سر دربار ایک خاص مسئلہ میں جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے حضرت ابو ذر نے ان کو سخت سست بھی سنایا اور ڈنڈا بھی رسید کیا کہتے ہیں کہ بے چارے کا سر کھل گیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادب

البتہ حضرت ابو ذر کسی کے تقویٰ و زہد علم و معرفت کے آگے اگر جھکتے تھے تو وہ صرف ایک وحید ذات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر آتی ہے۔

بلکہ میں جب ان عظمتوں اور توقیروں کے واقعات پڑھتا ہوں، جو آپ حضرت عمرؓ کی کیا کرتے تھے تو پھر آپ کی مجذوبیت تک میں مجھے کچھ شبہ سا ہو جاتا ہے۔ لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ شاید جذب کی شانوں میں ایک شان ان کی یہ بھی تھی، کہنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ وہ گروہ اللہ والوں کا ہے جو کبھی تو طارم اعلیٰ کی خبر لاتا ہے اور کبھی اپنے پشت پا کی بھی اسے خبر نہیں ہوتی

مسند احمد میں ایک یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سے ایک شخص گزرا جس کا نام غضیف بن حارث تھا، اگرچہ وہ صحابی نہ تھے لیکن رشد و صلاح کے زیور سے آراستہ اور سینے میں پاک دل رکھتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو دیکھ کر فرمایا۔

نعم العبد غضیف[1] | غضیف کیا اچھا بندہ ہے

حضرت ابوذر وہیں کہیں کھڑے تھے، جب غضیف آگے روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ اور سامنے آکر نہایت لجاجت اور غایت عاجزی سے فرمانے لگے۔

"بھائی میرے لئے دعا کرو، خداوند تعالیٰ کے دربار میں میری بخشش کی سفارش کرو، کہ وہ میرے گناہ معاف فرمادے۔"

غضیف حضرت ابوذر کو اس حال میں دیکھ کر گھبرا گئے اور متعجبانہ لہجہ میں فرمانے لگے۔

"حضور یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ آپ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ احق ہیں کہ میرے لئے استغفار کریں نہ کہ میں۔"

حضرت ابوذر نے اس کے بعد جو کچھ فرمایا تھا وہ ان تمام اندرونی جذبات کو بے نقاب کر دیتا ہے جو آپ کے دل میں حضرت عمر کی جانب سے موجزن تھے آپ نے کہا۔

"کہ میں نے عمر بن الخطاب کی زبان سے ابھی سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا نعم العبد غضیف (غضیف بہت اچھا بندہ ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سچائی اور راستی عمر کی زبان پر چسپاں کر دی گئی ہے"

---

[1] ان کا پورا نام غضیف بن الحارث بن زنیم السکونی ہے بنی کندہ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، تاہم جلیل القدر اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں مدتوں رہے ہیں حضرت بلال حضرت فاروق ابو عبیدہ بن الجراح ابوذر ابودرداء حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہا سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ آخر زمانہ میں حمص میں توطن اختیار کیا اور وہیں وفات ہوگئی (تہذیب التہذیب ص۲۴۹ ج۸)

مقصد یہ تھا کہ جب تم کو فاروق اعظم نے اچھا کہا ہے تو یقیناً تم اچھے ہو اور اچھوں کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

یہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے کہ عموماً امامیہ طبقے کے لوگ بھی حضرت ابوذر رضؓ کو اصحاب طیبین وطاہرین میں شمار کرتے ہیں. لیکن حضرت ابوذرؓ جس ذات کو طیب خیال فرماتے تھے اور جس کی تصدیق کو گویا آسمانی تصدیق وہ سمجھتے تھے. کس قدر عجیب ہے کہ ان کی اونچی شان پر وہ منھ نہ آتے اور ان کی پاک نیت پر حملے کرتے ہیں! غضیف سے حضرت ابوذرؓ نے جس چیز کی درخواست کی تم خود انصاف کرو کہ کیا تقیہ کی کسی شق کے نیچے وہ داخل ہو سکتا ہے؟ ان کو کس نے مجبور کیا تھا کہ خواہ مخواہ غضیف سے دعا کے لئے الحاح وزاری کریں فما لھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔

سفر دمشق الشام

مدینہ منورہ کے قریب ایک نامی پہاڑ سلع[1] ہے حضرت ابوذرؓ کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ

اذا بلغ البناء سلعا فارتحل الی الشام (مسند احمد و ابو یعلی)۔	جب مدینہ کی آبادی جبل سلع تک پہنچ جائے تو تم شام کی طرف کوچ کر جانا۔

یہ فرمان کیوں دیا گیا تھا، اس کی صحیح علت مجھے معلوم نہیں مگر اتب

---

[1] یہ پہاڑ اس نام سے مدینہ منورہ کے سامنے اب تک موجود ہے۔ یہی وہ کوہ مبارک ہے جس کا ذکر حضرت یسعاہ نبی کی کتاب میں ان لفظوں میں آیا ہے "سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے"۔ کون نہیں جانتا کہ طلع البدر علینا کا گیت سلع کے باشندوں نے کب گایا اور کس کے لئے گایا ۱۲

سلوک میں سلع کی آبادی سے کیا نقصان پہنچتا تھا[۱]۔ مرشد و مرید کے علاوہ اسے اور کون جان سکتا ہے۔ تاہم قرینہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی اس قدر معمور ہو جائے گی تو اس وقت اس کا تمدن بہت بڑھ جائے گا اور حضرت ابوذرؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز بنانا چاہتے تھے چونکہ اس کے لئے اتنی مدنیت مضر ہوتی۔ اس لئے آپ نے شام کی روانگی کا حکم دیا تھا واللہ اعلم

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فتوحات کے بعد جب مختلف مقبوضات میں فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ تو حضرت ابوذر نے شام کے "مکتبہ" یعنی فوجی چھاؤنی میں اپنا نام لکھوایا، اور وہیں تشریف لے گئے، کب گئے؟ گو حافظ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ حضرت صدیق اکبر کی وفات ہی کے بعد یہ قصہ پیش آیا، لیکن قرائن کا اقتضاء ہے کہ عمر فاروق کے عہد میں جب عسکری تنظیم مقبوضات کی حفاظت کیلئے کی گئی اس وقت شام کی چھاؤنی سے آپ نے اپنا تعلق اختیار فرمایا' انساب الاشراف

---

[۱] البتہ کامل ابن اثیر وغیرہ مورخین کا یہ بیان اگر صحیح ہے کہ دمشق سے حضرت عثمان کے طلبی پر جب حضرت ابوذر مدینہ منورہ تشریف لائے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ مدینہ کا وہی چھوٹا سا قصبہ عہد عثمانی کے ان دنوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نقطہ تک پہنچ گیا تھا کہ ای المجالس فی اصل جبل سلع (یعنی کوہ سلع کے دامن میں ابوذر نے دیکھا کہ نشست گاہیں بنی ہوئی ہیں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کتنا بڑا عظیم الشان شہر ہو گیا تھا۔ بنتے ہوئے گویا مکانات سلع کے دامن تک پہنچ گئے تھے بہرحال اس حال کو دیکھ کر حضرت ابوذر پر ایک حال طاری ہو گیا اور بے اختیار زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہوئے، بشر اہل المدینۃ لغارۃ شعواء وحرب مذکار (بشارت سنا دو مدینہ والوں کو ایک تباہ کن لوٹ مار کی اور یادرہ جانے والی جنگ کی) صفحہ ۴۴ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ یزید کے زمانے میں مدینہ واقعہ حرہ کے وقت جس بے دردی کے ساتھ لوٹا گیا کہ مسجد نبوی میں اذان تک دینے والا کوئی نہ تھا صحابہ اور صحابہ کی اولاد کا قتل عام کئی دن تک ہوتا رہا یہ اسی کی طرف اشارہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از قبل ابوذر کو اس ہائلہ فتنے سے مطلع فرما دیا تھا۔۱۲

بلاذری میں بھی لکھا ہے کہ کان مکتبہ بالشام الا انہ کان یقدم حاجاً ویسال عثمان الاذن لہ فی مجاورۃ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیاذن لہ فی ذلک (یعنی ان کی اصل چھاؤنی تو شام میں تھی لیکن اجازت لے کر حج کے لئے حجاز بھی آتے اور حضرت عثمان سے کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے جوار میں کچھ دن رہنے کی اجازت دو، وہ ان کو اجازت عطا کرتے) گویا یوں مکہ اور مدینہ میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا لیکن اصل قیام گاہ ان کی شام ہی کے شہر دمشق میں تھی (دیکھو البلاذری صفحہ ۵۶ ج ۵)

بہر حال اتنا قطعی ہے کہ خلافت عثمانی میں حضرت ابوذرؓ دمشق میں تھے وہاں کملوں کا ایک معمولی سا جو نپڑا ڈال لیا تھا جس میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ زندگی گزارتے تھے[1]۔

مسئلہ کنز جیسا کہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ امر بالمعروف نہی عن المنکر حضرت ابوذر کا خاص شیوہ تھا۔ سچائی کے اعلان میں دنیا کی کوئی قوت آپ کو روک نہیں سکتی تھی حتیٰ کہ خود علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے جیسا کہ گزر بھی چکا یعنی۔

"کہ اللہ کی باتوں میں ملامت کرنے والوں کی طعنوں سے نہ ڈرنے والا صرف ابوذر رہ گیا ہے"۔

الغرض مشکوٰۃ نبوت سے جو روشنی آپ کو عطا کی گئی تھی اسی روشنی کے عام کرنے میں آپ کبھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ جب موقع ملتا اسی فکر و عمل میں مصروف رہتے حتیٰ کہ تم آغاز کتاب میں پڑھ آئے ہو کہ اعلان توحید میں آپ پر کیا کیا مصائب نازل ہوئے لیکن آپ کو اس کی کوئی پروا نہ ہوتی تھی۔ یہی

---

[1] طبقات ابن سعد جزء رابع۔

وجہ ہوئی کہ جب آپ شام تشریف لائے تو یہاں بھی آپ نے وعظ و درس کا باب کھول دیا۔ اشاعت سنت میں منہمک ہوگئے اس زمانے کے مواعظ کے بعض بلیغ فقرے تاریخوں میں محفوظ بھی ہو گئے ہیں مثلاً البلاذری نے نقل کیا ہے۔ شام میں حضرت ابوذر فرماتے تھے خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ سچائی بجھ رہی ہے، جھوٹ زندہ کیا جا رہا ہے سچے جھٹلائے جا رہے ہیں، بغیر تقویٰ کے لوگ خود غرضیاں اختیار کر رہے ہیں" البلاذری ص۵۶ ج ۵

بہرحال اسی ضمن میں آپ نے مسئلہ کنز کی بھی تبلیغ شروع کی۔ جو لوگ کنز کے مرتکب تھے ان کو دھمکاتے ڈراتے۔ فرماتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"جو لوگ چاندی اور سونے پر گرہیں لگاتے ہیں وہ شعلے بن کر ان سے لپٹیں گے جب تک کہ اُسے خدا کی راہ میں صرف نہ کر دیں"

کبھی بیان کرتے کہ کانزین (یعنی سونے چاندی جمع کرنے والوں) کو مژدہ سنا دو کہ جہنم کی آگ میں تپائی ہوئی تختیاں ان کی ایک پستان پر رکھی جائیں گی حتیٰ کہ وہ سینہ کو توڑ کر۔ مونڈھے کی ہڈیوں سے نکل جائیں گی اسی طرح پھر مونڈھے کی ہڈیوں پر دھری جائیں گی۔ حتیٰ کہ وہ دوسرے پستان کی طرف سے توڑ کر باہر نکل آئے گی۔[۱] کبھی ارشاد فرماتے۔ مالدارو! غریبوں کی مدد کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین یکنزون الذھب	جو لوگ سونا چاندی کو سینت سینت
والفضۃ ولا ینفقونھا	کر رکھتے ہیں اور

---

[۱] بخاری کتاب الزکوٰۃ ۱۲

فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب علیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون

اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک دکھ کا مژدہ سنا دو اس دن وہی چاندی سونا آگ میں گرم کئے جائیں گے پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ اس سے داغی جائے گی اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جسے اپنے فائدے کیلئے تم نے اکٹھا کر رکھا تھا پس چکھو اس چیز کو جس نے تم لوگ جمع کرتے تھے۔

الغرض متواتر مسجدوں، بازاروں میں آپ کا یہ بیان ہوتا رہا مورخین کا بیان ہے اس واقعہ سے عام طور پر دمشق میں برہمی پھیل گئی۔ غربا امرأ کو تنگ کرنے لگے ایک آفت برپا تھی۔ طبری میں ہے۔

حتی ولع الفقراء بمثل ذالک واوجبوہ علی الاغنیاء[۱]

غربا اس قسم کی باتوں سے دلچسپی لینے لگے اور امیروں پر اس کو واجب کر دیا کہ جو کچھ ان کے پاس ہے خرچ کر دیں

چوں کہ اس مسئلہ نے آیندہ چل کر ایک اہم صورت اختیار کی۔ اس لئے ہم اس میں کچھ تفصیل سے کام لینا چاہتے ہیں۔ خصوصاً اس لئے بھی کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کسی نے آپ کے اصل مقصد تک پہنچنے کی صحیح کوشش غالباً نہیں کی، لوگ سرسری طور پر ان کی باتوں کو سن کر گزرتے رہے اور یوں عام طور سے اہل علم میں بھی ایک غلط بات مشہور ہو گئی ہے۔

آپ کے مذہب کی صحیح تنقیح

مختلف لوگوں نے آپ کے خیال کی مختلف شرح کی ہے۔ ہم پہلے علماء کی آراء درج کرتے ہیں اخیر میں جو کچھ میری اپنی رائے ہے اُسے بیان کروں گا۔ واللّٰہ

---

[۱] تاریخ طبری صفحہ ۲۸۵۹ ج ۵ - ۱۲

يقول الحق وهو يهدى السبيل۔

عام طور سے اکثر علماء کی یہی رائے ہے کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا حرام سمجھتے تھے، حافظ ابو عمرو بن عبدالبرؒ کہتے ہیں۔

وردت آثار كثيرة عن ابى ذرؓ تدل على انه كان يذهب الى ان كل مال مجموع يفضل على القوت وسداد العيش فهو كنز يذم فاعله وان آية الوعيد نزلت فى ذلك۔

ابو ذر سے بکثرت ایسی باتیں منقول ہوئی ہیں جو بتاتی ہیں کہ کھانے پینے اور سامان زندگی کے علاوہ ہر ایک قسم کے مال جمع کرنے کو کنز کہتے تھے اور اس کے مرتکب کی مذمت فرماتے تھے اور قائل تھے کہ وعید کی آیت قرآن مجید میں ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

لیکن ہم نہیں جانتے کہ وہ آثار کن کتابوں میں مذکور ہیں۔ طبقات۔ مسندات۔ مصنفات۔ اس کے علاوہ عموماً تاریخ وحدیث کی کتابیں ہمارے پاس ہیں ان میں اس بڑے دعوی کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہوئی ہے کہ قاضی عیاض اور حافظ بن حجر وغیرہ نے آپ کے "نظریہ کنز" کے مطلب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

قاضی عیاض کا خیال ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ عام طور پر ہر شخص کے لئے اس کو حکم نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کی کل دھمکیاں ان بادشاہوں کے ساتھ مخصوص تھیں جو رعایا سے روپئے وصول کرکے محض اپنے عیش و آرام جاہ وجلال میں صرف کرتے ہیں اور جن لوگوں کے واقعی حقوق ہیں ان کو محروم رکھتے ہیں۔

علامہ نووی کو اس توجیہ پر غصہ آگیا ہے اور نہایت سختی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ابو ذر تو اپنے زمانہ میں لوگوں کو دھمکاتے پھرتے تھے۔ پھر اس

قسم کے ظالم وعیش پسند بادشاہ اس زمانہ میں کب موجود تھے کہ وہ تو خلفائے صدیقین وامرائے عادیین مثل ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عہد تھا۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا دراصل یہ مطلب نہ تھا کہ خود اپنے مال کے جمع کرنے میں بھی انسان داغا جائے گا۔ بلکہ آپ کا یہ فتویٰ ان لوگوں کی حد تک محدود تھا جو دوسروں کا مال لے کر جمع کرتے ہوں اور جب اصلی مالک اس کا مطالبہ کرتا ہے تو ہاں نہیں میں ٹال دیتے ہیں۔ اس لئے اپنے مال پر کسی کی تعذیب کیوں ہو۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کا فتویٰ تھا کہ اگر زکوٰۃ نکالنے کے بعد ہمارے پاس ایک پہاڑ کے برابر سونا ہو تو ہمیں پھر کوئی خوف نہیں[۱]۔

حافظ نے اس کے بعد ایک اور توجیہ بیان کی ہے چونکہ وہ بجنسہٖ قاضی عیاض کی تاویل کا ترجمہ ہے اس لئے اسے قلم انداز کرتا ہوں۔

ناچیز کی رائے اگر امام نووی کو قاضی عیاض پر اور قاضی عیاض کو اپنے گزشتہ مؤلفین و مصنفین پر نکتہ چینی کا حق حاصل ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اگر اعتراض کا نہیں تو کم سے کم اپنے خیالات کے اظہار سے کیوں روکا جائے گا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں آئندہ لکھوں گا اس میں غلطی کی گنجائش نہیں۔ دیوانہ ہے جو ایسا سمجھتا ہے فلینظر الانسان ممّ خلق کے بعد اس قسم کی متکبرانہ دعاوی کا حق کس کو حاصل ہے؟ بہر حال حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہدیٰ درویش طرز و طریقہ روایات، و اقوال سے میں جو کچھ سمجھا ہوں اُسے پیش کئے دیتا ہوں۔

---

[۱] فتح الباری شرح البخاری سے یہ تفصیلات نقل کی گئی ہیں ۱۲

میرا خیال یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے تھے کہ خصوصیت کے ساتھ نقدین (سونا چاندی) جمع کرنے کی چیز نہیں علاوہ ان نقدین کے آپ کسی اور چیز کے جمع کرنے کو منع نہیں فرماتے تھے میرے نزدیک حافظ ابو عمرو بن عبدالبرؒ کا یہ کہنا کہ "کل مال مجموع" مال کا لفظ جو ہر ایک قسم کے مال پر صادق آتا ہے قابل اصلاح ہے، بلکہ کہنا یہ چاہئے۔ کہ "کل ذہب وفضۃ" (یعنی ہر قسم کا سونا چاندی)۔

پھر نقدین کے بارہ میں بھی آپ کا یہ خیال کبھی نہ تھا کہ حاجت سے اگر زیادہ ہو تو خدا ہی کی راہ میں وہ لٹا دیا جائے بلکہ خود آپ کے قول و عمل سے عنقریب معلوم ہوگا کہ آپ کی رائے یہ تھی کہ:۔

(۱) اگر روپے اشرفیاں حاجت سے زیادہ ہیں تو ان کو فوراً کسی مفید چیز کی صورت میں بدل دو، تاکہ ایک مفید جائداد ہو جائے یا روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آئے مثلاً اس سے زمین خریدی جائے بکریاں مول لے لی جائیں جن کے بچوں سے دودھ سے فائدہ حاصل ہو۔ گدھے گدھیاں اونٹ وغیرہ لے لئے جائیں تاکہ باربرداری سواری میں ان سے آرام ملے یا پیسے بنالئے جائیں جو روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آتے رہتے ہیں۔

(۲) اور اگر یہ چیزیں کسی کے پاس ضرورت سے زیادہ ہیں تو پھر وہ اُخروی تجارت شروع کرے یعنی بے کھٹکے ایک اٹھنی کی دس اٹھنیاں قطعاً بناتا چلا جائے۔ البتہ جو لوگ نہ وہ کرتے ہیں اور نہ یہ کرتے ہیں بلکہ خواہ مخواہ سونا چاندی جمع کرنے کا جن کو شوق ہے ان کے حق میں آپ یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔

والذین یکنزون الذھب — اور جو لوگ جمع رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور

والفضة ولا ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ الآیة	اس کو نہیں خرچ کرتے اللہ کی راہ میں تو (اے محمد) ان کو خوشخبری سنا دو دردناک عذاب کی۔

حتیٰ کہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سونے کے زیور کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ نہیں چاہتے تھے کہ سونا زیور کی صورت میں بھی مقید ہو جائے کیونکہ مسند میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک اعرابی آیا جس میں حضرت ابوذرؓ بھی شریک تھے اور آکر کہا۔

اکلتنا الضبع یا رسول اللہ یعنی السنة	ہم لوگوں کو قحط کھا گیا یا رسول اللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں اس سے زیادہ اس وقت سے ڈر رہا ہوں جب تم لوگوں پر دنیا خوب اچھی طرح بہائی جائے گی (یعنی وہ اس قحط سے زیادہ خطرناک اور ایام آزمائش ہوں گے) اور اس کے بعد نہایت حسرت سے آپ نے ارشاد فرمایا۔

فیا لیت امتی لا یحلون الذھب	کاش میری امت سونے کا زیور استعمال نہ کرتی۔

اس روایت سے گو سونے کی حرمت مطلقاً نہیں معلوم ہوتی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا اس قدر ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا یہی تھی کہ میری اُمت (خواہ مرد ہو یا عورت کہ لفظ عام ہے) سونے کو استعمال نہ کرتی۔

حضرت ابوذرؓ کے اندر جو جذب کی کیفیت موجود تھی اس سے اندازہ

کیا جا سکتا ہے کہ اس منشا نبوت نے ان میں کس اثر کو پیدا کر دیا ہوگا۔ اگر میں یہ کہوں کہ اُنھوں نے امت پر سونے کو حرام کر دیا ہوگا تو کیا بعید ہے خصوصًا حدیث کے جب وہی راوی بھی ہیں خلاف میں اس کے ان کا کوئی فتویٰ بھی نہیں پایا جاتا۔ تو یہ بات امکان سے بہت قریب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بعض ارباب فتاویٰ کی رائے بھی ہے۔ بہرحال اگروہ طلائی زیوروں کو حرام نہیں تو کم از کم ناپسند ضرور خیال فرماتے ہوں گے۔ اور اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس پر زکواۃ ضرور فرض سمجھتے ہوں گے، جیسا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے۔

مندرجہ بالا دعوے کے وجوہ

میرے نزدیک آپ کی رائے کی صحیح تصویر یہی ہے، طبقات ومسند اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ کثرت سے ان دونوں میں ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے ہمارا دعویٰ مدلل ہو جاتا ہے خود آپ کے ذاتی عمل اور قول سے اس کا پتہ چلتا ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی باتیں ظاہر ہے کہ کیا وقعت رکھتی ہیں مثلاً معلوم ہوتا ہے۔

(۱) آپ اپنی تنخواہ سے سال بھر کی ضرورت کی چیز خرید لینے کے بعد باقی روپیوں کے پیسے بھنا لیتے تھے۔

(۲) جب شام سے آپ کے اہل وعیال واپس ہوئے (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تو اُن کے پاس ایک کیسہ برآمد ہوا۔ لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی۔ اس پر آپ کی بیوی نے فرمایا۔ کہ قسم خدا کی اس میں اشرفی اور دراہم نہیں ہیں بلکہ پیسے ہیں، جسے ابوذر ضروریات کے لئے بھنا لیا کرتے تھے۔ (تاریخ طبری، طبقات)

حلیہ میں قریب قریب اسی قسم کی ایک حکایت اور ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی صاحبہ کو دیکھا اُن پر ایک اونی برقعہ پڑا ہوا تھا۔ چہرہ کا رنگ جھلسا ہوا تھا، ان کے ہاتھ میں ایک قُفّہ (خشک کدو کے تونبہ کو کہتے ہیں) بھی تھا صاحبزادی صاحبہ حضرت ابوذر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئیں اور فرمانے لگیں ابا جان! کاشتکاروں اور کسانوں کا خیال ہے کہ آپ کے پیسے جو اس میں (قُفّہ) ہیں یہ بھی ضرورت سے زاید ہیں۔

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں فرمایا "بیٹی! اس کو اپنے پاس رکھو، الحمد للہ کہ تمھارے باپ نے کبھی کسی رات کو اس حال میں دن نہیں کیا ہے کہ وہ زرد و سفید (زر و سیم) کا مالک ہو" مگر تھوڑے سے پیسے یعنی یہ اتفاقی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ان کو ضرور رکھتا ہوں۔

(۳) آپ کے پاس گدھیاں بھی تھیں، گدھے بھی تھے جو بار برداری وغیرہ میں کام آتے تھے۔[۱]

(۴) آپ کے پاس اونٹ بھی تھے جن پر علاوہ سواری کے پانی لایا کرتے تھے[۲]

(۵) آپ کی ملک میں زمین بھی تھی[۳] خواہ بصورت کھیتی یا باغ۔

(۶) خود آپ سے روایت ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جو شخص اونٹ یا گائے بکری کا مالک ہے اور اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا ہے قیامت کے

---

[۱] طبقات ۱۲ [۲] طبقات ۱۲ [۳] مسند احمد میں ہے لی ضیعۃ لہ ضیعۃ کے معنی مجمع البحار میں ہیں ہی البساتین والزراعۃ ۱۲

مامن صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یودی زکوٰتھا الا جاءت یوم القیمۃ اعظم ماکانت، واسمنہ تنطحہ بقرونھا وتطؤ باخفافھا کلما نفذت اخرھا عادت اولھا حتی یقضی بین الناس۔

(مسند احمد)

دن اس کے یہ جانور لائے جائیں گے۔ دنیا میں جس قدر بڑے ہوں گے قیامت کے دن اس سے زیادہ بڑے کرکے لائے جائیں گے اسی طرح دنیا میں جس قدر موٹے ہوں گے اس سے زیادہ موٹے کرکے قیامت کے دن لائے جائیں گے اور پھر اپنے مالک کو سینگ ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے جبتک حساب و کتاب کا معاملہ ختم نہ ہوگا یہ اسی طرح کرتے رہیں گے جب ایک قطار ختم ہو جاوگی دوسری لوٹے گی۔

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مویشیوں کی جب زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو پھر ان کے رکھنے میں مضائقہ نہیں۔ اور یہ بالکل ناممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اجازت دیں اسی اجازت کے خود حضرت ابوذر رضؓ راوی ہوں اور پھر اس کی مخالفت کریں۔

الغرض حضرت ابوذر رضؓ کو اجازت تھی کہ زکوٰۃ نکالنے کے بعد آدمی جس قدر اونٹ گائے وغیرہ رکھ سکتا ہو رکھے۔ اس کے لئے کوئی وعید نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ابوذر سے ایک اور روایت ہے جس سے میری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ آپ صرف سونا اور چاندی کو سونا اور چاندی کی شکل میں جو چیز بھی ہو اس کو بلا وجہ گاڑنے یا جمع کرنے کے مخالف تھے حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا۔

یا اباذر اعقل ما اقول لک | اے ابوذر! سمجھ اس کو جو میں کہتا ہوں

لعناق یاتی رجل من المسلمین خیر له من احد ذهبا یترکه وراءہ (مسند احمد ص ۱۸۱) ۔	قطعاً ایک بکری جو کسی مسلمان کو حاصل ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ احد کے برابر اس کے پاس سونا ہو پھر اپنے بعد اس کو چھوڑ جائے ۔

الفاظ حدیث بجنسہٖ میں نے نقل کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کا مفہوم وہی ہے جو میں نے ترجمہ میں درج کیا ہے۔ جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ بجائے "سونے" کے آدمی کے لئے بکری کا ایک بچہ زیادہ مفید ہے، یعنی وہ ایک بڑھنے اور بڑھانے والی چیز ہے، خصوصاً عرب میں آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ اونٹ اور بکریاں ہی تھیں، اس لئے آپ نے بکری کا ذکر کیا۔ ورنہ بظاہر مطلب اس کا یہی ہے کہ زر کو آمدنی پیدا کرنے والی نفع بخش چیزوں میں لگا دینا زیادہ مفید ہے، بہ نسبت اس بات کے کہ زر کو زر ہی کی شکل میں مقید کر کے کہیں دفن کر دیا جائے، چونکہ مسلمانوں کے معاش کا ذریعہ یا تو اس قسم کی جائز آمدنیاں ہیں یا وہ اموال ہیں جو بذریعہ جہاد حاصل ہوئے ہوں شاید اسی کی طرف اسی حدیث کے ان آخری الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت نے ابوذر کو پھر مخاطب کر کے فرمایا۔

اعقل یا اباذر ما اقول ان الخیل فی نواصیھا البرکة الی یوم القیامة ان الخیل فی نواصیھا الخیر۔	سمجھو اس کو اے ابوذر جو میں کہتا ہوں کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے برکت رکھی گئی ہے، گھوڑوں کی پیشانی میں برکت ہے۔

ارباب حدیث جانتے ہیں کہ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خیر اور آمدنی کا بڑا ذریعہ گھوڑا ہے یعنی مسلمان اس وقت تک فارغ البال ہیں جب تک وہ جہاد کرتے رہیں گے۔ جس کی تعبیر گھوڑے سے

کی گئی کہ عرب سپاہیوں کی سب سے اہم شے جنگ کے لئے گھوڑے ہی تھے۔ اور اب تک ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسلمانوں کے معاشی ضرورتوں پر گفتگو فرما رہے ہیں احد پہاڑ کے برابر مخزونہ دمدفونہ دولت کے مقابلہ میں ادنیٰ نفع بخش آمدنی پیدا کرنیوالی چیز (عناق) کو آپ نے ترجیح دی۔ پس حافظ ابن عبد البرؒ کا یہ کہنا کہ آپ ہر ایک قسم کے مال کے لئے کنز کو عام رکھتے تھے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

ان امور کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں تو کیا کسی غلط نتیجے تک پہنچے ہیں؟ تم خود غور کرو، کہ یہ باتیں جو ہم نے اوپر نقل کی ہیں اگر صحیح ہیں اور انشاء اللہ ہیں تو پھر ہمارے دعویٰ کی صداقت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟

اور جب ایسا ہے، تو پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جن غلط نویسوں نے آپ کی طرف یہ فتویٰ منسوب کیا ہے کہ ابو ذر کا خیال تھا کہ۔

صاحب المال کافر | مال والے کافر ہیں۔

یہ ان کے عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ میں متحیر ہوں کہ جب سیر کی جید وموثق کتابیں اس فتویٰ سے معرا ہیں، حدیثوں میں اس کا پتہ نہیں، بلکہ ان کتابوں میں جو کچھ بھی ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے تو پھر یہ کیا ظلم ہے کہ بغیر تحقیق کے ایسے نفوس بھی جن کو اپنی تاریخی وسعت نظریوں پر ناز ہے اس بے سروپا فتوے کو نقل کرتے ہیں اور پھر اس کی تغلیط بھی نہیں کرتے عفی اللہ عنہم۔

ہاں! اس قدر میں بھی مانتا ہوں کہ خاص ذہب (سونا) فضہ (چاندی) کے

متعلق آپ کا یہ خیال ضرور تھا کہ یہ جمع کرنے کی چیزیں نہیں ہیں۔

مسلک ابوذری پر ایک اجمالی تبصرہ

میں حضرت ابوذر کے مسلک کی تائید کرنا نہیں چاہتا۔ لیکن اس قدر ضرور کہہ سکتا ہوں اگر آپ ایسا فرماتے تھے تو شریعت اسلامیہ میں اس خیال کے پیدا ہونے کی مناشی صحیحہ موجود ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام نے سونے اور چاندی کے زیوروں کو مردوں پر حرام کر دیا ہے اور طلائی و نقرئی ظروف کے استعمال کو بھی اسلام نے مرد و عورت دونوں کے لئے قطعاً ممانعت کر دی۔ آخر یہ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے کہ سونا چاندی خود کوئی مفید چیز نہیں۔ بلکہ اُخروی و دنیوی دونوں ترقیوں کے یہ آلے ہیں، اگر کسی کے پاس دس ہزار اشرفیاں ہیں اور ان کو اس نے زمین میں دفن کر دیا تو حقیقت یہ ہے کہ اس نے خود اپنے نفس پر اپنے بال بچوں پر، اور قوم پر ظلم کیا کہ جتنے دنوں تک وہ آغوش زمین میں سوتی رہیں گی کاش ان سے تجارت کی چیزیں خریدی جاتیں تو اسی عرصہ میں وہ دس ہزار سے بیس ہزار بن جاتیں۔ یا اگر انھیں خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تو ہر اشرفی کے مقابلہ میں اسے دس اشرفیوں کا قطعی فائدہ ہو جاتا جو کسی طرح زوال پذیر نہیں۔

سونے کو برتن، یا زیور کی صورتوں میں مقید کر دینے کے یہ معنے ہیں کہ برکتوں اور آمدنیوں کے وسیع دروازہ پر قفل لگا دیا گیا۔

اس کے علاوہ حضرت ابوذرؓ جس حدیث سے استدلال فرمایا کرتے تھے تاویلوں اور توجیہوں سے قطع نظر کر لینے کے بعد ظاہر نص کا بھی کیا یہی مقتضے نہ تھا؟۔

اسی لیے خود قرآن کریم نے جس چیز کو جمع کرنے پر بنی آدم کو داغ دینے کی دھمکی دی ہے وہ گھوڑے، گدھے، اونٹ زمین و اموال تجارت کچھ نہیں ہیں۔ بلکہ خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔

اور جو لوگ کہ سونا چاندی کو سینتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک دکھ کا مژدہ سنادو۔ جس دن یہ چیزیں جہنم کی آگ میں تپائی جائیں گی پھر ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں ان سے داغی جائیں گی اور کہا جائیگا یہ وہی ہے جسے تم اپنے لئے جوڑ کر رکھتے تھے۔ پھر آج جس چیز کو جوڑ کر رکھتے تھے اس کا مزہ چکھ لو۔

میں ان تاویلوں سے بے خبر نہیں ہوں جنھیں مفسرین اپنی کتابوں میں نقل کرتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کو فرضیت زکوٰۃ سے پہلے کی قرار دے کر اس کی منسوخیت کا دعویٰ کیا ہے اور بعض لوگ گرچہ آیت کو محکم قرار دیتے ہیں۔ لیکن لا ینفقونھا سے زکوٰۃ مراد لیتے ہیں یعنی جو لوگ ذہب و فضہ کو بغیر زکوٰۃ ادا کئے ہوئے جمع کرتے ہیں، یہ دھمکی ان کے حق میں ہے وغیرہ وغیرہ

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو ظاہری معنے پر محمول کر رہے ہوں اور جو لوگ اس کی تنسیخ یا تخصیص خبر احاد سے کرتے ہیں اُن کو اس سے روک کر یہ دعویٰ کر رہا ہو کہ ذہب و فضہ کی کل دو صورتیں ہیں یا تو اس کو استعمال میں لاؤ ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو،

ان کے سوا یہ تیسری صورت کہ گھر میں یوں ہی ڈال دیا جائے، یعنی "کنز" بنا کر سونے چاندی کو رکھنا اس کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بتایا جائے کہ اس میں کیا ناموزونیت ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض بے سروپا تھا خصوصاً جب اس تفسیر کے بعد نہ نسخ ہی کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تخصیص النص بالخبر الواحد کی خرابی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ نہ صرف دینی حیثیت سے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اسلام کے گزشتہ بالا اصول کلیہ کو سامنے رکھ لینے کے بعد معاشی حیثیت سے بھی اس پر نکتہ چینی کی جرأت بہ مشکل ہی ہو سکتی ہے علی الخصوص جب طبرانی کی اس روایت کو بھی ہم ملا لیتے ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی معذوری اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔

قصہ یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک چھوٹا سا اسلامی مدرسہ صُفّہ کے نام سے جو قائم تھا غریب و محتاج لوگ جو مسلمان ہوتے تھے وہ اسی میں داخل ہو جاتے تھے۔ عام مسلمان ان کی مدد کرتے اور کھانے پینے کا سامان حسب وسعت کر دیا کرتے تھے اتفاق سے اس میں ایک طالب العلم کا انتقال ہو گیا۔ غسل دینے کے لئے جب ان کا کپڑا اتارا گیا تو ان کی لنگی سے ایک اشرفی برآمد ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا ایک داغنے والا آلہ ہے اسی کے بعد اور طالب علم کا انتقال ہوا۔ ان کی بھی جب تلاشی لی گئی تو اشرفیاں برآمد ہوئیں، آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا یہ داغنے کے دو آلے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین و شراح حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صفہ کے طلبا عموماً لوگوں پر اپنی مسکنت اور غربت ظاہر کرتے تھے لیکن جب مرنے کے بعد ان کے پاس سے نقد برآمد ہوا تو اس سے ان لوگوں کی ریاکاری ثابت ہوئی

کہ باوجود ثروت کے یہ اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تھے۔ جو محض مسکینوں کی جماعت تھی' خطرہ تھا کہ جب لوگوں کو یہ علم ہو جائے گا کہ صفہ والوں کے پاس روپے رہتے ہیں تو مستحق طلبہ بھی امداد سے محروم ہو جائیں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

میں اس تاویل کو مانتا ہوں لیکن میرا مقصد یہ ہے کہ جب حضرت ابوذر کے سامنے اس قسم کے واقعات متواتر پیش ہوئے اگر اس کے بعد انھوں نے ذہب وفضہ کے متعلق گزشتہ رائے قائم کی تو یہ کوئی مستبعد اور دور از قیاس نہیں ہے گو عامہ ارباب فتاویٰ واصحاب علم کی یہ رائے نہو۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذرؓ کا مباحثہ مسئلہ کنز پر

خلافت عثمانی کا زمانہ تھا۔ شام کے ناظم وعامل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اتفاق سے ان کے عہد میں اس مسئلہ کا بہت چرچا ہوا عام طور سے ارباب دول حضرت ابوذرؓ سے برہم ہو رہے تھے' مزاج میں آپ کے مجذوبیت بھی تھی۔ ممکن ہے کہ کسی پر کچھ سختی بھی کی ہو' اگرچہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں۔ تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے دمشق میں اس مسئلہ کی بدولت ایک ہل چل مچی ہوی تھی۔ جن لوگوں نے اپنی بیویوں اور لونڈیوں کو سونے اور چاندی سے لاد دیا تھا یقیناً ان کو حضرت ابوذر کا یہ فتوی گراں گزرتا ہو گا کیونکہ حضرت ابوذر اولاً اسے کنز کی مد میں داخل کر کے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوں گے ورنہ کم از کم زکواۃ کی تاکید تو ضرور کی جاتی ہو گی پھر جو لوگ کہ زیوروں پر زکواۃ فرض نہیں سمجھتے تھے (جیسا کہ بعض علما کی رائے ہے مثلاً ابن عمر وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان کو یہ مسئلہ برا معلوم ہوتا ہو گا۔ اور دوسروں ہی کو کیا خود امیر معاویہ کو وہ کب بخشتے تھے لکھا ہے کہ جب

دمشق میں امیر معاویہ نے اپنی مشہور سبز کوٹھی یعنی "الخضراء" کی تعمیر شروع کی۔ تو حضرت ابوذر حاضر ہوئے اور امیر معاویہ کو مخاطب کرکے فرمانے لگے تم جو یہ محل تیار کر رہے ہو، اگر خدا کے مال سے تیار کر رہے ہو تو ظاہر ہے کہ یہ خیانت ہے، اور اگر اپنے ذاتی مال سے بنوا رہے ہو، تو پھر یہ اسراف اور فضول خرچی ہے، کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے پاس خاموشی کے سوا اس کا کوئی جواب نہ تھا۔[1] یہ بھی لکھا ہے کہ بعض موقعوں پر امیر معاویہ کی زبان سے بیت المال کے خزانے کے متعلق یہ تعبیر نکل گئی کہ یہ تو خدا کا مال ہے حضرت ابوذر کو خبر ہوئی، تشریف لائے۔ امیر معاویہ سے پوچھا کہ کیوں جی تم مسلمانوں کے مال کو خدا کا مال کیوں کہتے ہو، امیر معاویہ نے فرمایا ابوذر خدا تم پر رحم کرے۔ بھائی! کیا ہم لوگ اللہ کے عباد اور اس کے بندے نہیں ہیں؟ اور مال جس کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اللہ کا مال نہیں ہے تو کس کا ہے مگر حضرت ابوذر نے یہ سننے کے بعد بھی اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسا نہ کہا کرو (بلکہ مسلمانوں کا مال) ہی اس کو کہو۔ کہتے ہیں کہ امیر معاویہ نے فرمایا کہ اچھا آئندہ میں اس کو مال المسلمین ہی کہا کروں گا۔[2]

الغرض اس قسم کی باتیں خصوصاً کنز والے مسئلہ نے رفتہ رفتہ اتنی اہمیت حاصل کی کہ حکومت دمشق اس سے متاثر ہوئی یعنی حضرت معاویہؓ کو مجبوراً اس میں دخل دینے کی ضرورت ہوئی۔ وہ بھی آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہی تھے خود صاحب الرائے والاجتہاد تھے انہوں نے حضرت ابوذر کو بلوایا اور پوچھا کہ آپ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے۔ حضرت ابوذر نے قرآن کی مندرجہ بالا آیت پڑھ دی، مناظرہ کا سلسلہ جس طرح شروع ہوا اس کے

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ص ۹۵ ۱۲۵ ج [2] کامل ابن اثیر ص ۴۳ ج ۳ - ۱۲

ناقل خود حضرت ابوذر ہیں۔

حضرت معاویہؓ اور حضرت ابوذر کا مناظرہ

حضرت معاویہ۔ آپ نے مطلب غلط سمجھا ہے۔ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رہبان و احبار کی شان میں نازل ہوئی ہے مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ؟

حضرت ابوذر۔ ہرگز نہیں وہ مسلمانوں کی شان میں ہے۔ طبقات میں یہ مناظرہ صرف اسی قدر منقول ہے۔ لیکن تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واللہ اعلم) یہ سمجھ رہے تھے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے یعنی۔

ان کثیرًا من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ۔

(بہت سے اہل کتاب کے علما اور صوفیہ لوگوں کے مالوں کو جھوٹے طریقہ سے کھاتے ہیں اور اللہ کے راستہ سے ان کو روکتے ہیں (یعنی قبر پرستی وغیرہ میں لوگوں کو الجھا کر اپنی مٹھیاں گرم کرتے ہیں)

وہ یقیناً احبار و رہبان نصاریٰ و یہود کے حق میں ہے چوں کہ آیت والذین یکنزون الاٰیۃ اسی رہبان و احبار والی آیت کے بعد ہے یہ صریحی قرینہ ہے کہ اس آیت سے بھی مسلمانوں کو کوئی علاقہ نہیں، بلکہ جو لوگ یاکلون و یصدون کے فاعل ہیں وہی یکنزون کے بھی ہیں،

اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال مبارک یہ تھا کہ یہ آیت پہلی آیت سے بالکل الگ ہے ورنہ الذین کو مکرر کرنے کی کیا ضرورت تھی جس طرح یصدون کو بغیر (الذین) کے عطف کیا گیا ہے اسی طرح یہاں بھی کیا جاتا۔ یہ دلیل ہے کہ یہ آیت اس شخص کے لئے عام ہے

جو سیم وزر کو جمع کرتا ہے۔ خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، میں نہیں کہہ سکتا کہ واقعہ کیا ہے۔ جس آیت میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے والوں کو اختلاف ہو بے ادبی ہوگی اگر ہم جیسے کندۂ ناتراش ان میں فیصلہ کرنے کی جراوت کریں۔ یہ ایک ذوقی چیز ہے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ پلہ کس کا جھکا ہوا ہے۔

الغرض مناظرہ ہوتا رہا اور شاید ہفتوں ہوتا رہا۔ لیکن دونوں ایک ہی اکھاڑے کے پہلوان تھے ایک نے دوسرے کی بالکل نہیں سنی! اپنی اپنی رایوں پر ہر شخص قائم رہا اور اس کا دونوں مجتہدوں کو اختیار تھا۔

کامل ابن اثیر میں قرآنی آیت کے ذکر کے بعد ایک دلچسپ آزمائشی لطیفہ بھی نقل کیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جب باتوں سے کام نہ چلا تو امیر معاویہ نے کسی کو ایک ہزار اشرفیاں دے کر رات کو حضرت ابوذر کے پاس بھیجا، اشرفیوں کو لے کر حضرت ابوذر نے صبح ہونے سے پہلے ارباب استحقاق میں ان کو تقسیم کر دیا، امیر معاویہ نے صبح کی نماز کے بعد اسی شخص کو بلایا جو اشرفیاں لے کر حضرت ابوذر کے پاس گیا تھا اور اس سے کہا کہ تم ابوذر کے پاس جاؤ، اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہنا کہ مجھے مصیبت سے نجات دلائیے بڑی سخت غلطی مجھ سے ہو گئی۔ امیر معاویہ نے دوسرے آدمی کے پاس یہ اشرفیاں بھیجی تھیں غلطی سے میں نے آپ کو پہنچا دیں۔ آدمی نے یہی کیا۔ حضرت ابوذر نے فرمایا کہ بیٹے! معاویہ سے کہنا کہ تمہاری اشرفیاں تو صبح ہونے سے پہلے خرچ ہو گئیں۔ البتہ تین دن کی مہلت دیں تو میں بندوبست کر سکتا ہوں آدمی نے یہی جاکر گوش گزار کر دیا۔ امیر معاویہ نے فرمایا کہ بیشک ابوذر جو کچھ کہتے ہیں وہی کرتے ہیں (صفحہ ۴۳ ج ۳) گویا اس طریقہ سے امیر معاویہ نے امتحان لینا چاہا تھا۔

کہ یہ وعظ و نصیحت صرف دوسروں تک ہے یا خود بھی اس پر عامل ہیں ظاہر ہے کہ امتحان میں ابوذر اگر کامیاب نہ ہوتے تو اور کون ہوتا

حضرت ابوذر کو سمجھانے کے لئے چند صحابہ بھیجے جاتے ہیں

تھک کر معاویہ رضؓ نے چند جلیل القدر صحابیوں کو دعوت دی جن میں ذیل کے حضرات تھے۔ حضرت ابودرداؓ حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عبادہ بن صامت حضرت ام حرامؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب کو بلا کر آپ نے فرمایا۔

"کہ جس طرح ابوذر رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے آپ لوگ بھی رہے ہیں جس طرح ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور ان کے دیکھنے والے ہیں یہی شرف و عزت آپ لوگوں کو بھی حاصل ہے۔ پس کیا آپ لوگ جا کر انھیں سمجھا سکتے ہیں؟ (ہماری تو وہ نہیں سنتے) سبھوں نے آپ کی درخواست قبول کی اور ایک متفقہ وفد کی صورت میں یہ لوگ حضرت ابوذر کے گھر پہنچے سبھوں نے اپنے اپنے علم و عقل کے اعتبار سے آپ کی فہمایش کی کاش مورخین ان بیانوں کو نقل کرتے تو دلچسپ چیز ہوتی، مگر اس وقت تک کسی کتاب میں مجھے اس کی تفصیل نہ ملی۔

حضرت ابوذر نے جب سب کی گفتگو سن لی تو سب سے پہلے حضرت عبادہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے۔

"اے ابوالولید (حضرت عبادہ) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ

لہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مکہ معظمہ میں آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبۂ اولیٰ میں بیعت ہوئے اور منجملہ نقبار کے ایک نقیب اپنے قبیلہ کے یہ بھی تھے۔ دوسرے عقبہ اور تیسرے عقبہ (باقی آئندہ صفحہ پر)

ہم سے ہر بات میں مقدم ہیں آپ عمر میں بھی بڑے ہیں آپ کو ہم پر بزرگی بھی حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بھی آپ نے مجھ سے زیادہ اٹھائی ہے۔"

"پھر اسی پر تو زیادہ تعجب ہے اور مجھے اس وفد سے زیادہ نفرت ہوئی کہ آپ بھی اس میں شریک ہوئے" (یعنی باوجود اس فضل وکمال کے آپ بھی سمجھانے آئے ہیں)

حضرت عبادہ سے تو صرف اس قدر فرما کر چپ ہو گئے اس کے بعد علی الترتیب دوسروں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔

رہے تم بھی ابو درداؔ، تو وہ وقت قریب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی وجہ سے تمھیں ایمان لانے کا موقع نہ ملے مگر خیر تم ایمان لائے اور اس کے بعد بھی اور صلحائے مسلمین میں سے ہوئے (یعنی تمہاری صحبت تو مختصر ہے) تم ہماری باتوں پر کیا نکتہ چینی کر سکتے ہو منشاء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر

(سلسلہ صفحہ گزشتہ) سب میں یہ لکھ آئے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے حضرت عمر نے آپ کو شام میں معلم اور قاضی بنا کر بھیجا۔ حضرت معاویہؓ سے آپ کا بھی اختلاف ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے پھر آپ کو واپس بھیجا اور کہا کہ معاویہ تم پر امیر نہیں ہیں ۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہوا ۱۲ استیعاب

لے آپ کا نام عویمر تھا، اپنے گھر میں سب سے اخیر میں مسلمان ہوئے، آپ کا نام حکیم الامۃ تھا جلیل القدر لوگوں میں تھے۔ جس وقت آپ کو یہ خبر ملی کہ حضرت ابوذر مدینہ چھوڑ کر ربذہ چلے چلے گئے تو فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" اگر ابوذر میری بوٹی بھی اڑا دیتا تو میں اس کی مذمت نہ کرتا ۳۲ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ ۱۲ استیعاب۔

ہم سمجھتے ہیں، یقیناً وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی)

اور عمرو بن العاص[1]! رہے تم تو خود بتاؤ کہ جہاد کے علاوہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کیا کیا ہے (یعنی فضیلت صحبت ضرور حاصل ہے خصوصاً جہاد کی صحبت لیکن مسائل شرعیہ کے سمجھنے کے لئے صرف اتنی صحبت کافی نہیں ہو سکتی ہے میں تو سالہا سال حضور کی خدمت میں سفراً و حضراً رہا ہوں اور تم صرف جہاد میں پس تم کو بھی مجھ پر اعتراض کا حق نہیں) اور ان بیچاری ام حرام[2] کو کیا کہوں ایک عورت ہیں۔ پھر ان کی عقل بھی ایک عورت ہی کی عقل ہوگی"

اور اخیر میں آپ نے ایک جملہ فرمایا جس کا مطلب ہمارے نزدیک یہی ہے:

"کہ پس جو تم لوگوں کا حال ہے ان کا (یعنی حضرت معاویہ) بھی اسی کے قریب ہے"

اس مفصل اور جلالی تقریر کو سن کر حضرت عبادہ دم بخود ہو گئے اور

---

[1] آپ [illegible] میں اسلام لائے۔ اسی سن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات سلاسل پر بھیج دیا اور اس کے بعد عموماً لڑائیوں پر رہے، سکندریہ کے فاتح آپ ہی ہیں۔ حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان جو مغالطہ ہوا اس میں آپ شریک تھے اور یہ مشہور ہے [illegible] میں انتقال ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کا جملہ یہ تھا "کہ مجھ پر تین زمانے گزرے ہیں کفر کا اور اسلام کا اور اخیر میں بادشاہوں کی صحبت میں مبتلا ہوا اب نہیں معلوم کہ یہ باتیں مجھے فائدہ پہنچاتی ہیں یا نقصان ۱۲ استیعاب

[2] حضرت انسؓ کی خالہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بہت مانتے تھے۔ حضرت عبادہؓ کی بیوی ہیں۔ ایک جہاد میں سواری سے گر کر شہید ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو بشارت بھی بحری جہاد کی ملی تھی جس میں یہ شہید ہوئیں ۱۲

کہتے ہوئے واپس تشریف لے گئے

لاجرم ماجلست مثل هذا المجلس ابداً[1] | یقیناً میں ایسی مجلس میں کبھی نہیں بیٹھا جہاں ایسی کھری کھری سنائی جاتی ہو)

الغرض یہ لوگ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس تشریف لے گئے "

حضرت معاویہ کو جا کر کہہ دیا ہو گا کہ ان سے ہم لوگ باتیں نہیں کر سکتے۔

آپ کی تبحر علمی پر ایک نظر

یہ ایک بڑی سخت نادانی ہے، کہ صحابہ آپس میں جو باتیں کرتے ہیں لوگ ان کو اپنی نسبت سے خیال کر کے شکوک و وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ معاصر تھے۔ برابری کے مدعی تھے آپس میں ایک دوسرے کو جو کچھ کہتے تھے ان کو اس کا حق حاصل تھا۔ لیکن ان کی باہمی مکالموں سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ ہم بھی پھر صحابہ کی شان میں وہ الفاظ استعمال کر سکتے ہیں۔ نہ صرف خرد ماغی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور آپ کی مجلس کی توہین کرنی ہے۔ ہمارے لئے ہر ایک صحابی بزرگ اور ہر ایک ان میں تمام امت کا سردار و پیشوا ہے بایهم اقتدیتم اهتدیتم کے الفاظ ایمان و اسلام کے نگینوں کی نقوش ہیں۔ اور ہر مسلمان کو اپنے مومن دل پر اس کو کندہ کر لینا چاہیئے۔

ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی صحابی نے اگر دوسرے کو کچھ کہا تو اس کی تحقیق میں کوئی مضائقہ نہیں کہ انھوں نے کہاں تک درست فرمایا اگر پتہ چل جائے تو فبہا ورنہ اپنے علم کو متہم کرنا چاہیئے سمجھنا چاہیئے کہ انھوں نے

---

[1] مسند احمد مسانید ابی ذر ۱۲

توضیح فرمایا ہوگا، لیکن ہم اسے سمجھ نہیں سکے یا واقعات کے نہ معلوم ہونے سے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ نہ سکے۔ الی غیر ذلک

بہرحال چوں کہ حضرت ابوذر سے اس مکالمہ میں فضیلت علمی کا ادعا پایا جاتا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ مختصر لفظوں میں اس پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

حیدر کرار افضی الصحابۃ وباب العلم کی اس شہادت کو پڑھو! اور خود غور کرو! کہ اگر انھوں نے ایسا فرمایا! تو کیا غلط فرمایا۔ فرماتے ہیں۔

"ابوذر[1] سخت حریص اور لالچی تھے۔ لالچی دین کی پیروی کرنے میں اور اس کی باتوں پر عمل کرنے میں اور حریص علم کے حاصل کرنے میں تھے، بہت زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے پھر کبھی انھیں جواب دیا گیا ہے اور کبھی نہیں لیکن اس پر بھی"

قد ملئ لہ فی وعائہ حتی امتلاء | ان کے لئے ان کا پیمانہ بھر دیا گیا حتی کہ وہ لبریز ہو گیا۔

کیا علم کے دروازہ کی یہ گواہی ابوذر رضؓ کے دعوی کی یہ دلیل نہیں۔ خود حضرت ابوذر کبھی جوش میں آکر فرما دیا کرتے تھے، کہ

"ہم[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت بچھڑے ہیں کہ فضاء آسمانی میں بازو ہلا کر اڑنے والا کوئی ایسا پرندہ نہیں رہ گیا تھا کہ ہمیں اس کے متعلق کوئی خاص بات نہ معلوم ہوئی ہو"

اگر حضرت ابوذر کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی علمی وسعتوں کا کیا حال ہوگا۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۴ صنہ ۱۲

[2] مسند احمد ۱۲ مجاح ساینہ وطبقات وغیرہ ۱۲

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق

اور کون ہے جو ان کی سچائی میں کوئی شاخسانہ پیدا کرسکتا ہے

جب کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر کی زبان و لہجہ کی صداقت کی خود تصدیق فرمائی صحیح حدیث ہے۔

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر

کسی زبان والے پر آسمان نے اپنا سایہ نہیں ڈالا اور نہ زمین نے اس کا بوجھ اٹھایا جو ابوذر سے بھی زیادہ سچا ہو!

کسی تصدیق و تزکیہ کے لئے اس سے زیادہ وزن دار، زیادہ روشن، تاباں الفاظ اور بھی مل سکتے ہیں اور کیا اس حدیث کو پیش نظر رکھنے کے بعد اگر ابوذر کے دعوٰی کو نبوی دعوٰی یعنی مرفوع حدیث کا حکم دے دیا جائے تو اصولاً کوئی مانع ہوسکتا ہے؟

الغرض مجھے کہنا یہ ہے کہ ابوذر کے علوم و معارف کی فراخ دامانیوں کا جب یہ حال تھا تو اگر انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفد کو گزشتہ بالا باتیں کہہ کر واپس کر دیا تو یہ کوئی اعتراض و طعن کا مقام نہیں ہوسکتا لمن کان له قلب

حضرت معاویہؓ کا تشدد

حضرت معاویہ نے خود سمجھایا صحابہ کو بھیج کر فہمایش کی کوشش کی لیکن جب کسی میں کامیابی نہ ہوئی۔ اور ادھر لوگوں کی شکایتوں سے آپ گھبرا گھبرا جاتے تھے، تقریباً روزمرہ ارباب ثروت، اصحاب دولت حضرت ابوذر کے خلاف میں عرضیاں پیش کرتے، اور درخواست دیتے کہ غرباء عموماً ان کی طرف ہوکر ہماری ہجو و توہین کرتے رہتے ہیں، جدھر سے مالداروں کا گزر ہوتا "کی" (داغ) کی آیت و حدیث

ان کے سامنے غربا پڑھ دیتے جس سے خواہ مخواہ ان کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہو گی"۔

انجام کار حضرت معاویہ نے مجبور ہو کر مصالح ملکی کو دیکھتے ہوئے منادی کرا دی "کہ ابو ذر کی مجلس میں کوئی شریک نہ ہو، ان کے ساتھ کوئی نہ بیٹھے"۔[1]

جس وقت حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی خبر ملی کہ مجھ سے مقاطعہ کا حکم دیا گیا ہے تو بجائے بگڑنے اور خفا ہونے کے اس حکم کے آگے آپ نے اسی وقت سر تسلیم خم کر دیا، اگر کوئی آپ کے پاس آکر بیٹھتا تو اُسے منع فرماتے اور کہتے کہ "معاویہ کا حکم ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی نہ بیٹھے۔ دیکھو تم اُٹھ جاؤ میں تمھارے لئے کوئی مصیبت تیار کرنی نہیں چاہتا"۔[2]

ابن خلدون کا بیان ہے کہ فتنہ پردازوں کی ایک جماعت اس کے بعد آپ کے پاس آئی جس نے حضرت معاویہ رضؓ کے خلاف ابھارنا چاہا[3] لیکن چوں کہ آپ کی وجہ سے وہاں کوئی فساد نہ اٹھا۔ اس لئے یہ قطعی ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو نکال دیا۔

بلکہ البلاذری نے انساب میں تو صراحۃً یہ بیان کیا ہے کہ ان فتنہ پردازوں کو حضرت ابو ذر نے یہ فرما کر نکال دیا کہ حکومت وقت کا اقتدار جس کے ہاتھ میں ہے یعنی مسلمانوں کے سلطان کو جو ذلیل کرے گا، پھر اس کے لئے توبہ نہیں ہے، فتنہ پردازوں نے یہ سن کر اپنی راہ لی۔ البلاذری ج ۵ ص ۶۵

وجہ یہ تھی کہ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے آپ سے جو کچھ گفتگو کی یا

---

[1] طبقات ص ۱۸٦ ۱۲۔ [2] طبقات ص ۱٦۹ ۱۲

[3] ابن خلدون ص ۱۲۰ ج ۲۔ طبقات و مسند ۔ ۱۲

کرائی وہ محض ایک صحابی ہونے کی حیثیت سے تھی، اس لئے اس کا ماننا آپ کے لئے ضروری نہ تھا۔

اور یہ حکم آپ کا بحیثیت نائب الخلیفہ، امیر الملک ہونے کے تھا۔ جس کی مخالفت حضرت ابوذر سے ناممکن تھی، حضرت معاویہؓ تو ایک قریشی نژاد جلیل القدر صحابی تھے آپ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی جسے اکثر خود بھی فرمایا کرتے تھے۔

"کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی ہے کہ اگر کوئی حبشی گوش بریدہ غلام بھی تم پر امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرنا، اور اس کے حکموں کو ماننا"

اور جب ایسے غلام کی اطاعت تک پیغمبر نے آپ کے لئے ضروری ٹہرا دیا تھا تو محال تھا کہ حضرت معاویہؓ کے حکم سے وہ سرتابی فرماتے۔ اور ان کے خلاف میں کوئی علم بغاوت العیاذ باللہ بلند فرماتے۔

لیکن اس کا علاج نہ تھا کہ دور دور سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے۔ آپ ان کو لاکھ منع فرماتے تھے لیکن جو کشش آپ میں تھی وہ ان بیچاروں کو کھینچ کر آپ کے قدموں پر ڈال دیتی تھی۔

اور جب وہ آجاتے تو پھر آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مشغلہ کو زندہ کرتے کیونکہ حضرت معاویہ نے صرف اس بات کی منادی عامہ مسلمین کے لئے کی تھی کہ وہ ان کے پاس نہ جائیں۔ لیکن خود حضرت ابوذر کو بارگاہ نائب الحکومت سے یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے حدیثیں نہ بیان کریں، یا مسائل و فتاوٰی کی اشاعت نہ کریں، اس لئے جب لوگ آجاتے تو پہلے ان کو اُٹھاتے لیکن جب نہیں ٹلتے تو پھر ان کے سامنے

کچھ نہ کچھ بیان کرتے تھے۔

آپ کی تبلیغی اولوالعزمیاں

اس وقت تک کثرت سے ایسے واقعات گزر چکے ہیں جن میں آپ کے اس ذوق کی پوری تجلیاں موجود ہیں۔ تاہم اس لئے کہ جب خواہ مخواہ لوگ برہم ہوتے تھے تو آپ نے خاموشی کیوں نہیں اختیار کی؟ ہم چاہتے ہیں کہ اس پر ایک مستقل لیکن مختصر تبصرہ اور آپ کے خیالات کا ایک عکس پیش کردیں۔ صحاح میں ہے کہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"کہ اگر ابوذر کی اس رگ گلو پر تلوار کی دھار بھی رکھدی جائے اور کسی سچی بات کی تبلیغ اس سے رہ گئی ہو تو وہ اسے نافذ کرکے رہے گا۔"[1]

یہ بھی عموماً آپ بیان کیا کرتے تھے۔

"کہ میرے دوست (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت کی ہے کہ میں سچ بات کہوں اگرچہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔"

اسی طرح آپ کا قول یہ بھی تھا[2]

"کہ ان لوگوں (یعنی خلفاء و امراء) کی اطاعت ہم پر ضرور فرض ہے۔ مگر ان تین باتوں میں یہ مانع نہ ہوں بھلائی اور نیکی کی تعلیم دینے سے۔ برائیوں کے روکنے سے۔ اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اشاعت و نشر دل کھول کر کروں۔"[3]

ظاہر ہے کہ تبلیغ و اشاعت کا جذبہ جس کے سینہ میں اس طرح ہیجان انگیز ہو وہ لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر اگر بے قرار نہو تو آخر کیا ہو۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کے

---

[1] [2] [3] مسند احمد ۱۲

مواعظ و تذکیرات کا ایک بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس باب میں تمام صحابہ سے الگ تھلگ ایک خاص ذوق کے آپ مالک تھے حج کے موسم میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ تبلیغی جذبہ خاص طور پر ابھر جاتا۔ جہاں کچھ لوگ نظر آئے اور کھڑے ہو گئے فرماتے۔

"لوگو! دوڑو ایک مہربان بہی خواہ بھائی کی طرف! میں ہوں جندب غفاری"

کبھی کعبے کی زنجیر تھامے ہوئے تقریر فرماتے۔

بہر حال ممکن تھا کہ حضرت معاویہ خود آپ ہی کو درس و وعظ سے روکتے، لیکن ان کا دل حضرت ابوذر کی قدر کرتا تھا' آپ ان کی عظمت اور جیسی کچھ قدر ان کی کرتے تھے وہ اس حکم کے نفاذ میں دامن کش ہو جاتا۔ ارادہ بھی کرتے تھے، لیکن مروت و ادب مانع آجاتا۔

دربار خلافت سے طلب تائید

آخر جب خود اُن سے کچھ نہ ہوسکا تو مجبور ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی خدمت میں اُنھوں نے چٹھی لکھی۔ دمشق کے لوگوں کی برہمی اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی تبلیغ وغیرہ کا قصہ انھیں لکھ بھیجا اور اخیر میں لکھا۔

"کہ ابوذر کی وجہ سے یہاں بہت فساد برپا ہو رہا ہے آپ انھیں مدینہ منورہ بلوالیں"[1]

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجبوریوں کو دیکھ کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے بھی مناسب خیال کیا کہ انھیں شام سے بلوا لیا جائے

[1] طبقات ص۱۲۶ ج ۴ - ۱۲

اور ایک خاص آدمی اس کام کے لئے روانہ کیا۔ اس کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کے نام بھی یہ فرمان تھا، کہ "تم ابھی مدینہ چلے آؤ"[1]

دمشق سے روانگی

جس وقت حضرت ابوذر کو یہ فرمان ملا بلا کسی چون و چرا و لاؤ نعم کے اسی وقت تن تنہا اس شخص کے ساتھ مدینہ روانہ ہوگئے جو آپ کو مدینہ سے لینے آیا تھا۔ حتیٰ کہ بال بچوں کے لے جانے کا سامان بھی عجلت میں آپ نہ کرسکے۔ بعد کو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اطمینان کے ساتھ ان لوگوں کو بھی مدینہ روانہ کردیا[2] جب آپ کے اہل و عیال مدینہ آئے تو سامانوں میں ایک کیسہ برآمد ہوا جس میں پیسے بھرے ہوئے تھے۔ مدینہ میں یہ خبر مشہور تھی کہ آپ مال جمع کرنے کے مخالف ہیں اس لئے لوگوں کو تعجب ہوا۔ مگر جو تنقیح میں نے آپ کے مذہب کی کی ہے اس کے بعد اعتراض کب باقی رہتا ہے۔

مدینہ کا داخلہ

خود آپ ہی کا بیان ہے کہ جس وقت میں مدینہ میں داخل ہوا خلق اللہ تھی کہ ٹوٹی پڑتی تھی ہر چہار طرف سے لوگوں نے مجھے گھیر لیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس سے پہلے انھوں نے مجھے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

مدینہ میں بھی اس مسئلہ کا افشا، اور لوگوں کی برہمی

زائرین و مشتاقان جمال ابوذری کا یہ ہجوم ایک دو دن تک محدود نہ رہا۔ بلکہ روزانہ لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے گرد رہتی تھی۔ جیسا کہ آپ کی عادت تھی، یہاں بھی آپ نے وعظ و پند کا دروازہ کھول دیا، منجملہ اور باتوں کے آپ اس ضمن میں مسئلہ کنز کو بھی بیان کرتے تھے۔

---

[1] طبقات ص ۱۶۶ ج ۴، ۱۲ [2] طبقات ایضاً ۱۲

یہ ایک ایسا دل خراش مسئلہ تھا کہ ناسمجھ دولتمندوں کی پیشانیاں بالآخر یہاں بھی چڑھنے لگیں، غربا امیروں پر ٹھٹھے لگانے لگے داغ داغ کی صدا ہر طرف بلند ہونے لگی۔

آہستہ آہستہ یہاں بھی اس مسئلہ نے زور پکڑا مسند احمد میں صاف طور سے مذکور ہے۔

"کہ مدینہ والے آپ سے بگڑ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی شکایت شروع کی"[1]

بہر حال، "بہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیدا است"، مخالفین نے یہاں بھی آپ کو ستانا شروع کیا حضرت عثمانؓ کے کان میں کثرت سے یہ آواز پہنچائی گئی۔

"کہ جس وجہ سے انھیں شام سے بلوایا گیا مدینہ میں بھی آکر انھوں نے وہی سلسلہ چھیڑ دیا ہے ایک فساد برپا ہو رہا ہے"

دربار خلافت میں کعب احبار سے مناظرہ

حضرت عثمانؓ نے تنگ آکر آخر آپ کو بلوایا دربار میں کعب احبار موجود تھے حضرت عثمانؓ نے اشارہ کیا، ان سے بحث کرو[2] اور سمجھاؤ کعب احبار آگے بڑھے اور مخاطب کر کے اس طرح تقریر شروع کی۔

---

[1] طبقات صـ۱۶۶ ج ۴ - ۱۲

[2] البلاذری نے انساب الاشراف میں لکھا ہے کہ گفتگو کی ابتدا ایک خاص مسئلہ سے خود حضرت عثمان نے کی یعنی آپ نے حاضرین مجلس کو خطاب کر کے یہ مسئلہ پوچھا کہ مسلمانوں کے امیر اور امام کے لئے کیا یہ جائز ہوگا کہ بطور قرض کے بیت المال سے رقم لے اور حسب سہولت ادا کر دے، اس پر کعب احبار نے فتویٰ دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، بس اس مقام سے حضرت ابوذر کا رخ کعب احبار کی طرف پھر گیا، غالباً اس کے بعد دوسرے مسئلہ پر دونوں میں بحث شروع ہوئی ۱۲

"آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے تمام مذہبوں میں سب سے زیادہ آسان و معتدل شریعت مذہب اسلام کی ہے۔ اسلام کا ہر قانون انسانی قوتوں کے موافق اور ان کی نظرتوں کے مطابق ہے اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ موسوی شریعت تمام شریعتوں میں سخت گیر اور کڑی ہے۔

پھر جب کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی مال جمع کرنے کی ممانعت نہیں ہے جب یہودیوں کو بھی اس کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا دیں تو اسلام کی معتدل و متوسط شریعت میں یہ سخت قانون کس طرح ہو سکتا ہے؟ کہ جو کچھ ضرورت سے زیادہ بچ جائے اسے خدا کی راہ میں لٹا دیا جائے ورنہ قیامت کے دن وہ انگارے بن کر لپٹیں گے۔"

ایک اور معارضہ بھی کتابوں میں منقول ہے، انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی کعب احبار کی منطقی دماغ کا نتیجہ ہے، بہر کیف اس کا خلاصہ یہ ہے:

"کہ جب ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنی ساری دولت خدا کی راہ میں لٹا کر مرے، اور اپنے پاس کچھ اندوختہ نہ چھوڑے، تو پھر اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتیں کیوں نازل فرمائیں جب میت کے لئے کچھ چھوڑ کر مرنا جائز ہی نہیں، تو وارثوں پر کیا چیز تقسیم ہوگی، الغرض قرآن کی اقتضاء النص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا ضروری نہیں ہے۔"[1]

ایک تو حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جذب غالب تھا۔ دوسرے[2] دونوں بحثیں قریب قریب ان کے مدعا سے محض بے تعلق تھیں، کیوں کہ ابھی تم

[1] روح المعانی صفحہ ۳۰ ج ۴ - ۱۲

پڑھ آئے ہو کہ مطلقاً مال اندوزی کے وہ مخالف ہی کب تھے۔

اور یہ کل اعتراضات اس پر پڑ سکتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے آخر وسعت و فراخی کا مدار کیا صرف اس پر ہے کہ گھر میں سونا چاندی ہو، زمین، اونٹ، جانور اموال تجارت وغیرہ سے وسعت و فراخی نہیں حاصل ہوتی، پھر اگر سونے چاندی کے دفینہ بنانے کی ممانعت میں ایسی سختی کیا پیدا ہوتی ہے، جس سے اسلام کے اعتدالی مسلک پر حرف آسکتا ہے۔ اسی طرح کیا میراث صرف زر و سیم ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور مالوں میں وراثت کیا جاری نہیں ہوتی؟ حضرت ابوذر کا اصرار جو کچھ بھی تھا وہ محض چاندی سونے کی حد تک محدود تھا، اور اس کا منشا بھی وہی تھا، کہ یہ دونوں چیزیں بیکار رکھ چھوڑنے کی نہیں ہیں، اور اس میں ایسی کونسی بات ہے جسے ہم فطرت اسلامی پر ظلم قرار دے سکتے ہیں۔

بہر حال میں بتا چکا ہوں کہ حضرت ابوذر تدین و تمدن دونوں اعتبار سے کنز کو غیر مفید سمجھتے تھے اور اس پر آیت قرآنیہ احادیث نبویہ نیز اصول اسلامیہ سے روشنی ڈالتے تھے، لیکن کعب احبار نے مسئلہ کی لم کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی منشاء کے موافق نہ سمجھ کر، اور یہ خیال کر کے کہ یہ مطلقاً مال جمع کرنے کو حرام کہتے ہیں، اعتراضات کر دئیے، اور اس پر طرہ یہ ہے کہ یہ بیچارے صحابی بھی نہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایمان لائے تھے، اور اعتراض بھی کیا تو اس شخص پر جس پر عام صحابیوں کو بھی نکتہ چینی اور اعتراض کی ہمت مشکل ہی سے ہوتی تھی۔

الغرض مجموعی طور سے یہاں پر کچھ ایسی باتیں جمع ہوگئیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کا غصہ تھم نہ سکا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب

کوئی چھوٹا آدمی کسی بڑے آدمی پر نا سمجھی کے ساتھ اعتراض کرتا ہے، اور پھر بطور پوچھنے کے نہیں بلکہ الزام دینے کے لئے، تو یقیناً آدمی بے اختیار ہو جاتا ہے خصوصاً جب اس میں مجذوبیت کی بھی کچھ لٹک جب پائی جاتی ہو گی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جواب وغیرہ تو کیا دیتے وہیں بھرے دربار میں

لہ دربار عثمانی میں جو گفتگو ہوئی بعضوں نے تو اس کی وہی تفصیل بیان کی ہے جسے اصل کتاب میں نے درج کیا ہے۔ لیکن کامل ابن اثیر وغیرہ میں اسی گفتگو کو جس انداز سے نقل کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان نے شام سے واپس بلانے کے بعد حضرت ابوذر سے فرمایا کہ شام کے لوگ تمہاری زبان کی تندی و تیزی کے شاکی ہیں، اس کے بعد بطور فہمائش کے حضرت عثمان نے کہا کہ ابوذر! ہم پر ذمہ داری جو کچھ عاید ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خود جو باتیں ہم پر واجب ہیں انھیں ادا کریں اور رعیت کو بھی کد و کاوش اور اعمال میں اعتدال و اقتصاد کی دعوت دیں، لیکن ہم پر یہ تو واجب نہیں ہے کہ لوگوں کو ترک دنیا اور زہد پر مجبور کریں۔ یہ سن کر بجائے جواب دینے کے حضرت ابوذر نے زور زور سے کہنا شروع کیا "ہرگز ہرگز امیروں سے راضی نہ ہونا چاہئے جب تک کہ نیک کاموں پر وہ اپنی دولت نہ خرچ کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش نہ آئیں، بھائیوں کی خبر گیری نہ کریں، اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں" در اصل یہی جواب تھا جو حضرت عثمان کو وہ دے رہے تھے کہ میں ترک دنیا پر کب لوگوں کو مجبور کرتا ہوں بلکہ امراء سے غرباء کے حقوق مانگتا ہوں۔ لکھا ہے کہ اسی موقعہ پر کعب احبار کی زبان سے یہ فقرہ نکل گیا کہ جس نے فرض ادا کر دیا یعنی زکواۃ ادا کر دی بس اس پر جو بات فرض تھی اس سے وہ سبکدوش ہو گیا۔ یہی نقطۂ نظر کا ابوذر اور دوسروں میں فرق تھا۔ اسی پر ان کو غصہ آ گیا۔ اور کعب احبار کی طرف یہ کہتے ہوئے جھپٹے کہ "ابے تو کون ہے جو یہاں اور اس مقام پر آ کر بول رہا ہے" اسی کے ساتھ ڈنڈا بھی رسید کیا جس سے کعب کا سر کھل گیا ص ۴۳ ابن اثیر ج ۳ - ۱۲

حضرت ابوذر نے سونٹا اٹھا کر کہا کہ "او یہودی تجھے یہ کیا باتیں بناتا ہے"۔

کعب احبار نے دیکھا کہ معاملہ بگڑتا ہوا نظر آتا ہے کہیں حضرت ابوذر سونٹا رسید نہ کر دیں۔ بیچارے بھاگے۔ حضرت ابوذر بھی کب چھوڑنے والے تھے غصہ بھڑکا ہوا تھا، یہ بھی لاٹھی لئے ہوئے اُن کے پیچھے روانہ ہوئے وہ بھاگتے جاتے تھے، اور یہ کچھ بُرا بھلا کہتے ہوئے تعاقب کرنے لگے اخیر میں تھک کر کعب احبار حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھے اور اپنے کو اُن کی پشت مبارک پر ڈال دیا۔

مگر حضرت ابوذر وہاں بھی پہنچ ہی گئے کہ گو حضرت عثمان کو وہ خلیفہ ضرور سمجھتے تھے لیکن اپنا بھائی اور ساتھی بھی تو خیال کرتے تھے غرض پہنچ کر آپ نے ایک سونٹا چلا ہی دیا۔ عام روایت تو یہی ہے کہ وہ مجذوبی لاٹھی کعب ہی پر پڑی لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ اچٹ کر حضرت عثمانؓ کی پشت مبارک پر جا کر ٹھیر گئی۔[۲]

---

[۱] ابوذرؓ کی زبان سے غصہ میں یہ لفظ نکل گیا ہوگا اور ایک مجذوب آدمی اس میں معذور ہے۔ ابن خلدون میں ہے کہ آپ نے "او یہودیہ کے بیٹے" کہا طبری میں بجائے "عصا" یعنی لاٹھی کے لکھا ہے کہ آپ نے اپنے "محجن" سے کعب پر حملہ کیا، محجن بھی ایک قسم کی لاٹھی ہی ہوتی ہے جس کی نوک پر آخر میں آنکس کے مانند لوہے کی کوئی چیز لگی رہتی ہے ۱۲

[۲] یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے میں نے تفسیر روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۳۰ سے یہاں نقل کیا ہے ابن خلدون نے خدا جانے کہاں سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار کے بھی چوٹ آئی اور سر کھل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس زخم کو مانگ لیا یعنی اپنی خاطر سے معاف کرا دیا۔ انساب الاشراف میں البلاذری نے بھی کعب احبار پر حضرت ابوذر کے اس جلالی طرز عمل کا ذکر کیا ہے، اس میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا "او یہودی! کیا ہم لوگوں کو تو ہمارا دین سکھاتا ہے" اگر یہ صحیح ہے تو اسی فقرے میں کعب احبار کے تمام اعتراضوں کا جواب مستور تھا دیکھو

ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو کہ اس قسم کی دھینگا مشتیوں میں یہ کوئی بعید نہیں۔

لیکن منقول نہیں کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی پر اس سے کوئی بل بھی آیا ہو، اور کس طرح آسکتا تھا، وہ خلیفہ کیا، بلکہ اس زمانہ میں ایشیا اور افریقہ کے سب سے بڑے بادشاہ تھے، مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتے تھے، کہ ابو ذر بھی ایک ایسے طائفہ کا سرخیل اور سلطان ہے جس کی گالیوں اور لاٹھیوں پر دنیا کے ہزاروں بادشاہ اپنے زر و جواہر نثار کریں گے اور پھر انھیں حسرت رہ جائے گی کہ حق ادا نہوا۔

غرض کہ یہ مجلس یوں ہی ختم ہو گئی۔ اور کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

حضرت ابوذر پر حضرت عثمانؓ کی بدگمانی اور اس کی صفائی

اس مجلس سے آپ اس وقت تو اُٹھ کر چلے آئے لیکن اس کے بعد ایک سخت حادثہ پیش آیا۔ یعنی جن دنوں حضرت ابوذر شام سے مدینہ آئے اُسی زمانہ میں عبداللہ بن سبا[1] یہودی مفسد الامت مسلمانوں کی صورت میں ظاہر ہو کر بغاوت و سازش کی اندرونی تحریکوں میں مصروف ہو چکا تھا۔ بلکہ ابن خلدون وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جب شام ہی میں تھے اسی وقت سے وہ اس فکر میں اسلامی شہروں کی سیر کر رہا تھا۔ اور مختلف صحابہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ

---

[1] یہ یمن کا ایک یہودی تھا بالاتفاق مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ منافقانہ طور پر عہد عثمانی میں مسلمان ہو جانے کا دعویٰ کر کے اسلامی ممالک میں اپنی ایک مخفی سوسائٹی کے ساتھ سازشی ایک جال بچھایا۔ الذہبی نے لکھا ہے کہ خود اسکو اور اسکے رفقاء سبائیوں کو تنگ آکر حضرت مرتضیٰ علیہ السلام نے آگ میں جلوا دیا دیکھو لسان المیزان صفحہ ۲۸۹ ج ۳

اُبھارنے کی کوشش میں سرگرم تھا۔

اس فتنے کی مفصل کیفیت التقاسم میں بعنوان "یہودیوں کی زبردست سازش اسلام میں" کے عنوان سے مدت ہوئی فقیر ہی لکھ چکا ہے۔ اس لئے میں اس کو یہاں پھیلانا نہیں چاہتا۔ تفصیلی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فتنے کا گو علم اس وقت نہوا۔ لیکن اجمالی طور پر آپ کو اتنا ضرور معلوم ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ہماری طرف سے بددل و بدگمان ہورہی ہے

اور واقعہ یہ ہے کہ جس وقت آپ کو یہ علم ہوا تھا یقیناً اسی وقت آپ خلافت سے ہوسکتا تھا کہ دست بردار ہو جاتے لیکن خدا کی مرضی یہ نہ تھی خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس محبوب صحابی اور عزیز داماد کو وصیت کی تھی۔

"اے عثمان شاید خداوند تعالیٰ تم کو کوئی قمیص پہنائیں گے۔ پس اگر منافقین (یعنی عبداللہ بن سبا و اتباعہ) تیرے بدن سے اس قمیص کو اتارنا چاہیں تو دیکھو تم خود اس کو کبھی نہ اتارنا۔ حتیٰ کہ مجھ سے آکر ملو"۔ [1]

ظاہر ہے کہ اس قمیص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت تھی۔

اس صورت میں ان کی کیا مجال تھی کہ اس وصیت نبویہ کے بعد بھی آپ عبداللہ بن سبا کی ان ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فقط اپنی زندگی کو مطمئن بنانے کے لئے سریر خلافت چھوڑ دیتے، دیوانے ہیں جو ایسا سمجھتے ہیں آسمان زمین پر گر جاتے یا زمین پھٹ کر دنیا کو نگل جاتی اس وقت بھی عثمان جیسے مطیع و فرماں بردار غلام سے یہ ناممکن تھا کہ اپنے آقا صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی

---

[1] ترمذی ۱۲

زبان مبارک سے سنے ہوئے کلمات کی خلاف ورزی کرے۔

یہ ہو نہیں سکتا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کا یہ عقیدہ جزایمان تھا کہ مضرت وہی مضرت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مضرت و نقصان خیال فرمایا۔ اور فائدہ بھی صرف وہی فائدہ ہے جسے حضورؐ نے فائدہ سمجھا ہو۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے اس کی امید ہی بوالہوسی ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جن کی آنکھوں نے آفتاب رسالت کے سامنے مصالح وقتیہ کی چراغوں کو کبھی نہیں دیکھا، اور نہ دیکھنا چاہا۔ ان کی زبان میں جب کبھی جنبش ہوئی۔ تو انہیں لفظوں کے ساتھ ہوئی۔

"کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہد لیا ہے

اور میں اس پر صبر کے ساتھ قائم ہوں اور رہوں گا" [۵]

اور آخر یہی ہوا کہ صرف اپنے آقا کے پاس عہد میں، سمجھ کر اور جان کر ایک جلیل القدر رئیس عرب نے بصد بیکسی قرآن کے اوراق پر اپنے پاک لہو کو بہا دیا اور خوشی سے بہا دیا فرضی اللہ عنہ

رفتیم باغمت دل پرخوں گزاشتیم   جان رابعید گاہ تو در خوں گزاشتیم

ہوا و ہوس کے پھندوں میں گرفتار ہونے والوں کا کیا جواب ہے جو عشق و سرمستی کی چاشنیوں سے محض نابلد ہو، وہ کیا جانے کہ کیا کرنا چاہیئے تھا، اور کیا نہیں کرنا چاہیئے تھا جس نے اپنے ابتدائے اسلام سے ہمیشہ اپنا طغرائے امتیاز ع

اندیشہ زیاں وغم سود شستہ ایم

رکھا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ پھر اس کے مقابلہ میں نفع وضرر کی داستانوں کو دہرا کر بیہودہ ہذیانوں سے اپنے اوراق سیاہ کرنے کے کیا معنی ہیں؟

---

[۵] ترمذی ۱۲

علاوہ اس کے کون کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کے استعفار کے بعد عبداللہ بن سبا کی سازشوں کا خاتمہ ہو جاتا۔ کیا عبداللہ عثمان کا دشمن تھا جو اس کی امید لگائی جاتی ہے جس کی بیخ کنی کے وہ درپے تھا وہ تو حضرت عثمان رضؓ کے بعد بھی باقی رہتا اور رہا۔[1]

خیر یہ تو ایک ضمنی بحث تھی' دل دکھا ہوا ہے اس لئے قلم رکتا ہی نہیں میرا مقصود یہ ہے کہ جب حضرت عثمان رضؓ کے کان میں ان خفیہ چہ میگوئیوں کی بھنک پہنچی تو فطرتاً آپ اس کا پتہ لگانے لگے کہ کون کون لوگ اس فتنہ میں شریک ہو رہے ہیں۔

میں ابن خلدون کے حوالے سے لکھ چکا ہوں کہ مفسدوں کی ایک جماعت شام میں حضرت ابوذر کے پاس پہنچی تھی۔ اور آمادہ بغاوت کرنا چاہا تھا۔[2] ممکن ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کو اس کی خبر ہو گئی ہو۔

اِدھر مناظرہ کا ایک ناگوار واقعہ اور پھر شام سے ان کو یکایک مدینہ بلوالینا۔ یہ چند باتیں ایسی پیش آگئیں کہ آپ کو حضرت ابوذر سے بھی کچھ بدگمانی ہوگئی۔

ممکن ہے کہ آپ نے اس خطرہ کا تذکرہ کسی کے سامنے کیا ہو۔ بہر کیف کچھ ہو۔ حضرت ابوذر کو کسی طرح سے یہ خبر مل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری طرف سے بھی بدگمان ہیں۔

---

[1] حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن سبا کان یہودیا فاظہرالاسلام وطاف بلاد المسلمین لیلفتہم عن طاعۃ الائمۃ ویدخل بینہم الشر ص ۱۴۸ ج ۳ لسان یعنی ابن سبا یہودی تھا بظاہر اسلام اختیار کرکے مسلمانوں کے شہروں میں گھومتا پھرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو اپنے امراء کی اطاعت سے برگردو کرے اور باہم مسلمانوں میں شروفساد پھیلادے ۱۲

[2] البلاذری نے بھی لکھا ہے کہ شام ہی میں فتنہ پردازوں کا یہ گروہ حکومت کے خلاف حضرت ابوذر کو کھڑا کرنے کے لئے آیا تھا ۱۲

یہ سنتے ہی آپ کو جلال آگیا۔ اسی وقت آپ اُٹھے اور اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو لے کر سیدھے آستانہ خلافت کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ پر اس کیفیت کے سننے سے ایک ایسی کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ گویا مدہوش ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ جس دروازہ سے مکان خلافت میں جانے کی کسی کو اجازت نہ تھی آپ درہ لئے ہوئے اسی میں گھس گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب آپ کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا، تو یکایک آپ پر خوف طاری ہوا[۱]۔ جو خطرہ ابھی تک ظن و گمان کی حد تک محدود تھا اس نے یقین کی شکل اختیار کی۔

لیکن فطری وقار و تمکنت نے بظاہر آپ کی حالت میں کوئی تغیر پیدا نہیں کیا جس طرح جلوس فرما تھے اسی طرح بیٹھے رہے۔

اتنے میں حضرت ابوذر قریب پہنچ گئے۔ اور سامنے آکر فرمایا "السلام علیکم" اور قبل اس کے کہ کچھ مزاج پرسی کریں گھبرائی ہوئی آواز میں آپ نے کہا۔

احسبتنی منھم یا امیر المومنین	کیا آپ مجھے بھی ان لوگوں میں گمان کرتے ہیں (یعنی مفسدوں میں) اے مسلمانوں کے امیر!

اور اس کے بعد اس زبان نے جس سے زیادہ سچی زبان آسمانوں اور زمین کے درمیان اور کوئی نہ تھی اس طرح اپنی برات شروع کی۔

"قسم خدا کی نہ میں ان لوگوں میں ہوں، اور نہ ان کو جانتا ہوں کہ یہ کون لوگ ہیں ان کی علامت تو گھٹے ہوئے سر ہیں وہ دین سے اس طرح دور ہوں گے جس طرح شکار کو تیر توڑ کر نکل جاتا ہے[۲]

---

[۱] طبقات ۱۲ [۲] چونکہ تفصیلی طور پر آپ کو بھی اس کا علم نہ تھا صرف شام میں ایک دفعہ کچھ لوگ آپ کے پاس آئے تھے اور وہ بھی خدا جانے صحیح ہے یا نہیں۔ بہر حال آپ کا علم اس فتنہ کے متعلق صرف

باقی آئندہ صفحہ پر

ابوذر رضہ کی برأت کے لئے یہ الفاظ خصوصًا جب وہ قسم کے ساتھ ہوں بہت کافی تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو عظمت و وقعت آپ کے دل میں تھی اس نے بس کرنے نہ دیا آپ کو فکر اور سخت فکر دامن گیر ہو گئی تھی کہ حضرت عثمان کے دل سے یہ خیال کسی طرح مٹ جائے۔

اس وقت کی بے چینی ٹھیک اس بے چینی کے مشابہ تھی کہ کسی کا محبوب کسی سے بدگمان ہو گیا ہو اور شیدائے جانباز سر پہ پاؤں رکھ کر ہر ایک ممکن العمل ذرائع سے اس کی تشفی کرنا چاہتا ہو آبگینۂ دل احباب کی نزاکتوں کا خیال کر کر کے مکرر الحاحوں اور التجاؤں سے اپنی صفائی پیش کر رہا ہو۔

حضرت عثمان بیٹھے ہوئے ہیں اور ابوذر رضہ کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے ہیں

"آپ اگر مجھے حکم دیں کہ بالانوں کی لکڑیوں میں لٹک جاؤں تو میں سچ کہتا ہوں کہ اسی وقت لٹک جاؤں گا اور لٹکا رہوں گا جب تک آپ ہی اس کے چھوڑنے کا حکم نہ دیں[۱] (یعنی باوجودیکہ یہ ایک لغو کام ہوگا لیکن آپ کی خاطر داطاعت مجھے اس درجہ منظور ہے کہ نفع وضرر کا خیال دماغ میں آہی نہیں سکتا) اسی طرح اگر آپ فرمائیں کہ کھڑا ہو جا تو میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ ہی حکم نہ دیں۔ (فتح الباری)

مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُٹھے اور ہاتھ پکڑ کر آپ کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ولنعم ما قیل۔ ؎

ملتے ہی آنکھ رنج نہ تھا رشک غیر کا ۔۔۔ کیا جانے اس نگاہ نے سمجھا دیا ہے مجھے

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) اسی قدر تھا جس قدر حضرت عثمان کو کہ کچھ لوگ آمادۂ فساد ہیں اور اس علم کو علم نہیں کہہ سکتے، ماخوذ از طبقات وفتح ۱۲

[۱] یہ تمام واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ ۱۲

طبقات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دیر تک دونوں میں کچھ سرگوشیاں بھی ہوتی رہیں حتیٰ کہ کبھی کبھی آواز بلند بھی ہو جاتی تھی۔[۱]

آخر جب یہ مجلس راز و نیاز ختم ہو گئی اور خدا جانے کن باتوں پر ہوئی کہ ادھر حضرت عثمانؓ کا سینہ بھی اسرار نبویہ کا گنجینہ تھا۔ ادھر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ پوچھنے والوں سے فرمادیا کرتے تھے کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار دریافت کرنا چاہتے ہو تو میں کبھی نہیں بتا سکتا۔[۲]

جہاں دونوں طرف یہ حال ہو وہاں ما و شما کی رسائی اور وہ بھی سرگوشیوں کے موقع پر جو کچھ ہو سکتی ہے، وہ معلوم، ہاں! طبقات ہی سے اس قدر اور بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد جب حضرت ابوذر اُٹھے تو باچھیں کھلی ہوئی تھیں اور مسکراتے ہوئے باہر نکلے، لوگوں نے پوچھا بھی، کہ امیرالمومنین اور آپ سے کیا باتیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ صرف اس قدر فرماتے ہوئے روانہ ہو گئے۔

"میں سننے والا فرماں بردار ہوں، اگر مجھے وہ حکم دیں گے کہ تم عدن یا صنعار چلے جاؤ اور مجھ میں طاقت چلنے کی باقی رہے گی تو میں اسی وقت چلا جاؤں گا۔"[۳]

مدینہ سے کوچ

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کو بھی چھوڑ دیا لیکن کیوں چھوڑا۔ عام مورخین تو لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جلاوطن کر دیا تھا مگر اس باب میں سب سے زیادہ موثوق کتاب

---

[۱] طبقات ابن سعد ص ۱۶۷ ج ۴ - ۱۲ [۲] مسند احمد ۱۲

[۳] طبقات ابن سعد ۱۲

طبقات ابن سعد سے علاوہ بہت سی خصوصیتوں کے سب سے بڑی خصوصیت اس میں یہ ہے کہ طبقات صحابہ میں سب سے پہلی اور قدیم کتاب ہے، بعد والوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے عموماً اسی کے رہین منت ہیں اس لئے میں اس وقت جو کچھ لکھوں گا اسی سے لکھونگا

طبقات میں مختلف روایتیں ہیں لیکن یہ کسی میں نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے ابوذر کو جلاوطن کردیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک اہم واقعہ ہے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ابن سعد کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور متاخرین اس پر کہاں سے مطلع ہوئے لیکن تھانہ والے چوروں کو پہچان لیتے ہیں۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ روایت اسلامی تاریخوں میں کہاں سے داخل ہوئی اور کس غرض سے داخل ہوئی۔ آہ! کہ عبداللہ بن سبا مسلمانوں کے راستوں پر نہایت احتیاط سے بیٹھا اور اس نے وہ کام کئے جو اس کے نجدی شیخ کو بھی نہ سوجھی۔

لمثل هذا يذوب القلب من كمد ان كان في القلب ايمان و اسلام۔

اسی قسم کے واقعات سے بوجہ اندوہ نہانی کے قلوب پگھل جاتے ہیں اگر ان میں اسلام اور ایمان کا ذرا سا بھی شائبہ ہو۔

بہرکیف ابن سعد نیز امام بخاری کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پر مدینہ منورہ میں لوگوں کا ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا۔ حتی کہ آپ کے مشاغل میں حرج واقع ہونے لگا۔ آخر اس کا تذکرہ حضرت عثمان رضؓ سے کیا اور خواہش ظاہر کی کہ میں مدینہ سے چلا جانا چاہتا ہوں اس پر حضرت عثمان رضؓ نے فرمایا۔

"کہ تم ہمارے پاس چلے آؤ (یعنی جب ہمارے پاس رہو گے تو لوگ خواہ مخواہ تنگ نہیں کریں گے) شیردار اونٹنیاں صبح و شام آپ کے

پاس آیا کریں گی۔[1]

لیکن آپ کا اصرار بڑھتا رہا فرمایا کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں (یعنی اونٹوں کی ضرورت نہیں ہے) مجھے آپ اجازت ہی دے دیں، اور وجہ بھی ظاہر تھی کہ آخر مسجد نبوی میں نماز کے لئے تو ضرور جاتے مدینہ اس زمانہ میں دار الخلافۃ الکبریٰ تھا، لاکھوں آدمیوں کا اجتماع رہتا تھا۔ جس وقت ابوذر نکلتے خواہ مخواہ لوگ پیچھے پڑ جاتے، جیسا کہ دنیا کی اس وقت بھی یہی عادت ہے کہ اس قسم کے بزرگوں کے پیچھے عوام بے تحاشہ دوڑتے پھرتے ہیں بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ مدینہ کی آبادی شام تک پھیل گئی ہے۔ اور اس حالت میں مجھے یہاں رہنے کا حکم نہیں[2]

آخر حضرت عثمان رضؓ نے مجبور ہو کر فرمایا کہ۔

ان شئت تنحیت فکنت قریباً	اگر تم ہی چاہتے ہو تو پھر (مدینہ) کے کسی ناحیہ میں چلے جاؤ تاکہ قریب رہو۔

اس پر آپ نے فرمایا کہ۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ ۱۲

[2] ابن جریر طبری میں آخری وجہ مذکور ہے۔ انساب الاشراف البلاذری میں گو بعض نہایت مکروہ واقعات نقل کئے ہیں، حضرت عثمان جیسے حیا پرور انسان کی زبان کی طرف ایسی فحش گالیاں منسوب کی گئی ہیں جنھیں آج بھی کوئی شریف آدمی اپنی زبان سے نکال نہیں سکتا۔ لیکن غنیمت ہے کہ اسی کتاب میں مدینہ منورہ کے جلیل تابعی حضرت سعید ابن المسیب کا قول بھی اسی میں درج ہو گیا ہے یعنی سعید نے اس کا انکار کیا کہ حضرت ابوذر کا اخراج عمل میں آیا تھا انھوں نے فرمایا! انما خرج ابوذر الیھا راغباً فی سکنھا یعنی حضرت ابوذر خود ربذہ میں رہنے کے لئے خود اپنی خواہش سے گئے تھے، ظاہر ہے کہ سعید بن المسیب سے زیادہ قوی شہادت اور کس کی ہو سکتی ہے۔ ۱۲

ائذن لی ان اخرج الی الربذۃ	آپ اجازت دیجئے تاکہ میں ربذہ چلا جاؤں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ اچھا آپ وہاں جا سکتے ہیں۔ میں بیت المال سے کچھ اونٹنیوں کو دودھ کے لئے آپ کے پاس بھیج دوں گا۔[۱]

لیکن حضرت ابوذرؓ کی غنی طبیعت نے اس کو قبول نہیں کیا بلکہ قریش کے نوجوان جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔

دونکم معاشر قریش دنیاکم فاغنموها لا حاجة لنا فيها۔	قریشیو اپنی دنیا کو تم لو اور اسے خوب زور سے تھامو ہمیں اس کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں۔

یہ فرما کر آپ حضرت عثمانؓ سے رخصت ہوئے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ زہد عیسوی کا جو کامل نمونہ تھا محمدی مسیحیت کا وہی مظہر اتم اپنی آخری زندگی گزارنے کے لئے، اسی صحرا کی طرف روانہ ہو گیا جہاں سے پھر کہیں منتقل نہیں ہوا

ربذہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ معظمہ کو گئی تھی ٹھیک اسی کے کنارے ربذہ ایک مختصر سے گاؤں کی صورت میں آباد تھا اور مدینہ منورہ سے کل تین منزل دور تھا۔

اصمعی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ نجد کا تذکرہ کرتے ہیں اس کے عرار و بہار[۲] کی روح پرور نسیم پر سر دھنتے ہیں حالانکہ نجد کا سب سے عمدہ قطعہ شرف ہے جسے میں نجد کا جگر سمجھتا ہوں اسی خطہ شرف میں ربذہ بھی شامل تھا۔ شرف میں جو خاص سرکاری رکھت تھی، ربذہ اس کے داہنے جانب پر واقع تھا[۳]

حضرت ابوذر کی زندگی جس طرز کی ہو گئی تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے

---

[۱] ابن سعد ۱۲

[۲] عرار و بہار نجد کے دو خوشبودار پھول کے نام ہیں عربی شعراء اس کے بہت دلدادہ تھے ۱۲ [۳] معجم البلدان ۱۲

مناسب ربذہ سے زیادہ موزوں مقام مدینہ منورہ کے نواح میں مشکل ہی میسر آسکتا تھا ع جائے بود کہ بر قامت او دوختہ بود۔

کائنات کے بادشاہ کا روضۂ پاک بھی سامنے تھا، اور جس قسم کے فتن اور مفاسد کا زمانہ آرہا تھا اس سے بھی آپ کو گونہ علیحدگی ہوگئی جس کی وصیت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کی تھی، حضرت ابوذر ہی راوی ہیں، کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیت

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا	جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے مخلص نکالدیگا
ویرزقہ من حیث لا یحتسب	اور اس کو اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو خیال بھی نہ ہوگا

بار بار تلاوت فرما رہے تھے حتی کہ اخیر میں آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے گویا آپ پر غنودگی سی طاری ہوگئی، عین اسی حال میں آپ نے اس طرح گفتگو شروع کی۔ ابوذر! اگر تم مدینہ سے نکالے گئے تو کہاں جاؤ گے

حضرت ابوذر! میں تلاش رزق اور فراخی معاش کے لئے مکہ کے کبوتروں میں شامل ہوکر

کوئی کبوتر بن جاؤں گا (یعنی مکہ چلا جاؤں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی تم کو نکلنا پڑا تو پھر کہاں جاؤ گے۔

حضرت ابوذر! شام کی پاک و مبارک سرزمین کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! اگر وہاں سے بھی نکلے۔

حضرت ابوذر! تو پھر تلوار اپنے کاندھے پر اٹھاؤں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم! نہیں ایسا نہ کرنا۔ فرمانبرداری اور اطاعت کرنا اگرچہ

کوئی حبشی غلام ہی تم پر حاکم کیوں نہ ہو۔[1]

(1 مسند احمد)

پس انھوں نے ایسا ہی کیا فساد و جدال کا زمانہ آنکھیں دکھا رہا تھا عبداللہ بن سبا جو شعلہ مصر کے آتش دان سے بھڑکا رہا تھا اس کی گرمی مدینہ منورہ میں بھی محسوس ہو رہی تھی ایسے وقت میں حضرت ابوذر نے عزلت گزینی پر اگر عمل کیا تو درحقیقت یہ حضور ہی کے ارشاد کی تعمیل تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس فساد کی خبر دے چکے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر کو مخاطب کرکے ایک دن فرمایا۔

اے ابوذر تو کیا کرے گا جب آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں گے حتی کہ (اس قدر خون بہایا جائے گا) کہ حجارۃ الزیت (مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے) کی زمین خون میں غرقاب ہو جائے گی، حضرت ابوذر نے کہا کہ اللہ اور رسول زیادہ جانتے ہیں کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھر بیٹھ جانا۔ اور دروازہ بھیڑ لینا۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ اگر وہ ہمیں نہ چھوڑیں؟ آپ نے فرمایا تب جن لوگوں سے تم ہو ان کی جماعت میں آکر مل جانا۔ حضرت ابوذر نے کہا تو کیا میں تلوار اٹھاؤں گا، حضور نے فرمایا اس وقت تم بھی فساد میں شریک ہو جاؤ گے (یعنی ایسا نہ کرنا) اور اگر تم کو تلوار کی چمک سے

یا اباذر ارأیت ان قتل الناس بعضهم بعضا حتی تغرق حجارة الزیت من الدماء کیف تصنع قال الله ورسوله اعلم قال اقعد فی بیتك و اغلق علیك بابك قال فان لم اترك فائت من انت منهم فکن فیهم قال فآخذ سلاحی قال اذاً تشارکهم فیما هم فیه ولکن ان خشیت ان یروعك شعاع السیف فالق طرف ردائك علی وجهك حتی یبوء باثمه واثمك۔

خوف معلوم ہو تو اپنی چادر کے پلے سے منھ
ڈھاک لینا، تاکہ تم پر حملہ کرنے والا تمھارا اور
اپنا گناہ لے کر واپس ہو۔

کس قدر سیاہ اور ناپاک الزام ہے، کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو ربذہ میں نظر بند کر دیا تھا[1] حالانکہ واقعہ جو کچھ بھی کچھ تم سن چکے۔ اور آیندہ بھی تمھیں معلوم ہوگا، خود حضرت ابوذر سے بعض لوگوں نے آکر پوچھا ہے "کہ تم ربذہ کس طرح آئے اور کیوں آئے" اس کے جواب میں آپ نے اجمالی طور پر واقعات کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے۔

کہ میں شام میں تھا، وہاں مجھ میں اور معاویہ میں آیت والذین یکنزون الآیۃ میں اختلاف ہو گیا، معاویہ کہتے تھے کہ یہود و نصاریٰ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور میں کہتا تھا کہ ہماری اور ان کی دونوں کی شان میں ہے اس پر بات بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے حضرت عثمان کے پاس میری شکایت کر دی (حالانکہ حضرت معاویہ کو اخراج کا اختیار خود بھی حاصل تھا مگر یہ فعل محض ادباً تھا) عثمان نے مجھ کو لکھا کہ "مدینہ چلے آؤ" میں مدینہ

[1] البلاذری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان سے کسی نے کہا کہ ابوذر کو ربذہ آپ نے جلا وطن فرما دیا۔ سن کر فرمانے لگے سبحان اللہ قطعاً جو باتیں لوگ پھیلا رہے ہیں ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی ہے، ہم ابوذر کی بزرگی و فضل کو خوب جانتے ہیں۔ مسلمان ہونے میں ان کو سبقت کا جو شرف حاصل ہے اس سے بھی خوب واقف ہوں۔ ہم لوگ (یعنی رسول اللہ کے صحابہ) ابوذر سے زیادہ کسی کو شوکت و عزت میں وزندار نہیں سمجھتے تھے اصل الفاظ یہ ہیں ما کنا نعد فی اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شوکۃ منہ البلاذری صفحہ ۵۶ ج ۵

آگیا یہاں لوگوں کا اس قدر ہجوم مجھ پر ہونے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انھوں نے اس سے پہلے مجھ کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ عثمان سے اس بات کا تذکرہ کیا گیا انھوں نے مجھ سے کہا کہ اگر جی چاہے تو آپ ربذہ چلے جائیں تا کہ قریب بھی رہیں (یعنی لوگوں کی بھیڑ سے نجات بھی مل جائے اور ہمارے قریب بھی رہیں گے) بس فقط اتنی بات مجھے یہاں لائی ہے"[1]

آپ کا یہ بیان اگرچہ بہت مجمل ہے جس کی تفصیل بھی میں آپ کے ہی دوسرے بیان سے کر چکا ہوں میری غرض صرف اس قدر ہے کہ آپ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ پر جب الزام نہیں لگاتے تھے تو دوسروں کو کیا حق ہے۔ کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دامن امانت پر اس واقعہ کا داغ قائم کریں۔

کس قدر عجیب ہے کہ اگر کسی سیاسی مصلحت سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آپ کو مدینہ سے الگ کیا ہوتا۔ تو پھر ربذہ میں کیوں رہنے کا حکم دیتے مدینہ اور ربذہ میں فاصلہ ہی کتنا تھا' علاوہ اس کے ربذہ ایک ایسا مقام تھا جہاں سے ہر سال عراق کے مسافر لاکھوں کی تعداد میں مکہ معظمہ جایا کرتے تھے' اور حاجیوں کی گویا وہ فرودگاہ بھی تھی۔ ایسے مخدوش آدمی کو ایسی گزرگاہ پر قید کرنا' کس قدر قرین عقل و دانش ہو سکتا ہے۔ خصوصاً۔ جب ارباب تاریخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ ربذہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد بھی کان ابوذر یتعاھد المدینۃ مخافۃ ان یعود اعرابیا ۱۲ ابن اثیر ج ۳ (یعنی مدینہ منورہ حضرت ابوذر اس لئے آتے جاتے رہتے تھے کہ کہیں گاؤں میں رہنے سے ان کے اندر دہقانیت

---

[1] طبقات ابن سعد ۱۲

اور بد اوت نہ پیدا ہو جائے) اور سچ تو یہ ہے کہ شام کی چھاونی میں جب وہ تھے اس وقت بھی جب ان سے صبر نہ ہو سکتا تھا بھاگ بھاگ کر اپنے محبوب رسول پاک کے روضہ کی زیارت کو آتے رہتے تھے، خلیفہ وقت سے رخصت حاصل کر کے قبۂ خضرا کی مجاورت کر کے اپنی مضطرب روح کے سکون کا سامان پیدا فرماتے رہتے تھے تو مدینہ سے اتنی نزدیک جگہ ربذہ میں رہ کر ان سے صبر کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اعرابی اور دہقانی ہو جانے کا اندیشہ یہ بھی ایک مجذوبانہ لطیفہ تھا۔ راہ عشق کی رسوائیوں کا وہ بھی ایک نام نہاد پردہ تھا۔ حضرت ابوذر سے بعض کتابوں میں یہ فقرہ جو منقول ہے کہ ہجرت کے بعد عثمان نے مجھے پھر اعرابی (دہقانی) بنا دیا یہ بھی ایک جذبی لطیفہ ہی ہے دیکھو البلاذری ج ۵ ص ۵۴

حقیقت یہ ہے کہ "دجاجلہ وضاعین الحمد للہ کہ اس قدر غبی اور بد حافظہ ہوتے ہیں کہ باتیں ضرور بناتے ہیں، لیکن اس درجہ خام اور جھوٹ ہوتا ہے، کہ چند جرحوں میں ان کی کل دروغ بافیوں کے تار و پود بکھر جاتے ہیں[۱] فلعنة الله علی الکاذبین۔

بہر کیف یہ معاملہ اس درجہ بدیہی اور صاف ہے کہ خود جو واقعات

۱؎ یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابوذر اور حضرت عثمان کی باہمی سوء مزاجی کے قصوں کو بہ تدریج پچھلی تاریخوں میں بہ نسبت ان کتابوں کے جو عہد صحابہ سے زیادہ قریب ہیں، خوب رنگین کیا گیا ہے الیعقوبی نے تو حضرت ابوذر کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن سے بجائے صحابی ہونے کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان فرقوں میں سے ایک خاص فرقے کے عقاید رکھتے تھے جو بعد کو مسلمانوں میں پیدا ہوئے ان واقعات کے پڑھنے میں ہمیشہ یہ دیکھ لینا چاہئے کہ کتاب کا مصنف کسی خاص فرقہ کا تو آدمی نہیں ہے خصوصاً ایسے فرقوں کا جو اپنے مدعا کے مطابق بات بنا لینے کو ثواب سمجھتے ہیں۔ اسی لئے علامہ ابن جریر طبری اور دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ یہ نہایت مکروہ باتیں ہیں جن کا ذکر بھی میں پسند نہیں کرتا ج ۵ ص ۶۶

آیندہ میں درج کروں گا انشاء اللہ اسی میں ان تمام بہتانوں کی پوری تردید ملے گی۔

بالفعل میں ربذہ کی آبادی وغیرہ اور آپ نے جس طرح اپنی زندگی وہاں گزاری اس کا خاکہ پیش کرتا ہوں۔

ربذہ کی آبادی

میں بتا چکا ہوں کہ ربذہ شرقِ نجد کا ایک پرفضا قطعہ تھا جہاں سرکاری رکھت بھی تھی اور یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ ذات عرق سے جو سڑک مکہ مکرمہ کو جاتی تھی اس کے کنارے وہ واقع تھا۔ مسافروں کی ایک منزل وہاں بھی ہوتی تھی ان ہی وجوہ کی بنا پر ایک معمولی سی چوکی خلافت کی جانب سے وہاں قائم تھی۔ جو رکھت کی حفاظت اور راہگیروں کے امن وامان کی ناظم تھی۔ چوکی پر ایک افسر مقرر تھا اور کچھ اس کے ساتھ عملہ بھی تھا۔ ان ہی سب سے مل ملا کر اُس نے ایک گاؤں کی صورت اختیار کر لی تھی۔

حافظ ابن حجر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بیت المال کے اونٹ وغیرہ یہاں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی حضرت ابوذر رض ریوڑوں کی حفاظت کے لئے یہاں کبھی کبھی آ کر سکونت[۱] پذیر ہوتے تھے۔ ان کا یہ خیال بھی ہے کہ چوں کہ اس مقام میں حضرت ابوذر پہلے بھی رہ چکے تھے اور یہاں سے مانوس تھے اس لئے بھی آپ نے اور مقاموں سے اسی کو ترجیح دے کر حضرت عثمان رض سے درخواست کی کہ میں وہیں جاؤں گا۔ بہر کیف جس زمانہ میں آپ یہاں تشریف لائے تو وہاں کے افسر نظم ونسق ایک حبشی غلام مجاشع[۲] نامی تھے۔ مردوں کی

---

[۱] فتح الباری ج ۳ - عملاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ربذہ ہی بھیجا تھا۔ [۲] تاریخ اہل امینہ نمبر ۱۲

آبادی تقریباً بارہ تھی۔ کچھ عورتیں بھی تھیں جن کی صحیح تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی ان لوگوں کے لئے خلافت کی طرف سے ایک مسجد بھی بنوادی گئی تھی بعضوں نے لکھا ہے کہ مسجد حضرت ابوذر ہی نے وہاں بنوائی تھی[1]

ربذہ کا قیام سامان زندگی

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سالانہ وظیفہ دربار خلافت سے چار ہزار درہم تقریباً نو سو روپیہ مقرر تھا[2] حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ بھی ارادہ کیا تھا کہ چند شیر دار اونٹنیوں کو آپ کے لئے خاص کر دیا جائے[3] لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو آپ نے لینے سے خود ہی انکار کر دیا۔ پس مستقل آمدنی یا سرمایہ جو کچھ سمجھو ان کے پاس یہی تھا اس سے آپ نے مختصر سامان خریدا تھا جس کی تفصیل یہ ہے۔ دو گدھیاں، چند گدھے، چند اونٹ سواری اور پانی لانے کے لئے، کچھ بکریاں جن کی تعداد مجھے معلوم نہ ہو سکی دو غلام ایک چھوکری۔ طبری میں ہے کہ سرکاری عمال جو ربذہ میں تھے حکومت کی طرف سے روزانہ ان کے لئے چند اونٹ ذبح ہوتے تھے اور حضرت ابوذر کو بھی اس سے ایک حصہ ملتا تھا (ص۶۹ ج ۵)

وہاں بھی مکان حسب دستور آپ نے اینٹ ومٹی کا نہیں بنایا۔ کملوں کا

---

[1] طبری کامل ابن خلدون سب نے یہی کہا ہے طبری میں ہے "فخط بها مسجدا" یعنی ربذہ میں حضرت ابوذر نے ایک مسجد کی داغ بیل ڈالی اور اسے تعمیر کیا ۱۲

[2] عام کتابوں میں حضرت ابوذر کی عطا یعنی تنخواہ کی مقدار یہی بتائی گئی ہے لیکن الذہبی نے اپنی کتاب دول الاسلام میں لکھا ہے کہ سالانہ عطا حضرت ابوذر کی چار ہزار دینار تھے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے دیکھو مختصر دول الاسلام ذہبی ص۱۳ مطبوعہ دائرۃ المعارف میرے خیال میں الذہبی ہی کا بیان صحیح ہے ۱۲

[3] لیکن طبری وغیرہ میں ہے کہ اونٹ کا ایک "صرمہ" (گلہ) آپ کے لئے حضرت عثمان نے مختص کر دیا تھا اور دو غلام بھی ساتھ کر دئے تھے ۱۲

ایک جھونپڑا ڈال لیا تھا۔ قریب ہی میں آپ نے ایک تالاب بھی بنوا لیا تھا جس میں برسات کا پانی جمع ہو کر ذخیرہ ہو جاتا تھا آنے جانے والے مسافر اور ان کی سواری کے جانوروں کا کام بھی اس تالاب کے پانی سے چلتا تھا اور ربذہ میں جس زمین پر آپ کاشت کرتے تھے اس کی سیرابی اور جو نخلستان تھا اس کی بھی سیرابی اسی سے ہوتی تھی۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر کے ساتھ دوسرے مشہور کاشت کار صحابی رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ چھوڑ کر ربذہ میں آ بسے تھے الطبری نے اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں نے کوئی بات سنی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی تھی جس کی تشریح پورے طور پر تو ان سے نہیں کی گئی تھی لیکن دونوں کی سمجھ میں بھی آیا اور ربذہ آنے پر دونوں متفق ہو گئے طبری صـ۲۳ میرا خیال ہے کہ کاشتکاری اور باغبانی کے اس ذوق میں جسے ربذہ میں حضرت ابوذر کے اندر ہم پاتے ہیں اس میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خاندانی ذوق کو بھی غالباً دخل تھا کیونکہ ان ہی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے خاندان سے بڑا کاشتکار عہد نبوت میں اور کوئی نہ تھا

اہل وعیال

بہرحال ربذہ میں آپ کے ساتھ ایک تو آپ کی حرم محترمہ اور دوسری آپ کی صاحبزادی صاحبہ تھیں کیونکہ بچے تو بہت پیدا ہوئے لیکن عموماً کمسنی میں وفات پا گئے حلیہ میں ابونعیم نے بچوں کے مرنے کے متعلق آپ کا ایک عجیب فقرہ نقل کیا ہے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ابوذر آپ کے بچے زندہ کیوں نہیں رہتے آپ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی یاخذھم فی دار الفناء ویذخرھم فی دار البقاء	شکر ہے اللہ کا جس نے ان بچوں کو فانی گھر میں لے لیا اور باقی رہنے والے گھر کے لئے ان کو ذخیرہ بنا دیا۔

وہ شاکر" ہر حال میں شکر کا مقام حاصل کر لیتا ہے' اور صبر تو اپنے تمام ثمرات کے ساتھ وہ اپنی جگہ پر قائم ہی ہے۔ اولاد کے لئے لوگوں نے آپ کو دوسری بیوی کرنے کا بھی مشورہ دیا، لیکن راضی نہ ہوئے۔ آخر عمر میں آپ کا خاندان ان ہی دو عورتوں (بیوی اور بیٹی) اور خود آپ کی ذات سے عبارت تھا۔

الغرض ربذہ کی وادی میں ایک سرمست خمخانۂ حجاز کا مخمور الست' اپنی زندگی انھیں سامانوں پر گزار رہا تھا۔ اور خوش تھا کہ دنیا کے تمام جھگڑوں سے اسے نجات مل گئی تھی۔ شہروں کے شور و غوغا سے الگ ہو کر روحانی مسرتوں کی لذت اندوزیوں میں باطمینان مصروف تھا۔ سطحی نگاہوں میں گو موجودہ حالت مسکنت و افلاس کی تھی لیکن ژرف نظروں سے پوچھو ان سے دریافت کرو جو کسی کی نرگس مست کی غلامی لکھوا چکے ہوں' اور کسی کے بادہ لعل سے دل و جاں کو خراب کر چکے ہوں' کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

غلام نرگس مست تو پادشاہانند | خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

بہر حال ربذہ میں آپ کے پاس جو کچھ تھا اوروں کے نزدیک وہ کافی ہو یا نہ ہو لیکن ان کے غنی دل نے ہمیشہ اس کو کافی خیال کیا۔

شام کے گورنر حبیب بن مسلمہ نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں تین سو اشرفیاں بھیجیں اور لکھ بھیجا۔

استعن بها علی حاجتک | اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد لیجئے۔

لیکن حضرت ابوذر نے قاصد کو جواب میں کیا کہا۔

"ان اشرفیوں کو تم ان ہی (یعنی حبیب) کے حوالے کر دینا اور کہنا کہ کیا ان کو مجھ سے زیادہ غریب آدمی نہیں ملتا تھا، خدا کے فضل سے میں ایک سائبان رکھتا ہوں' جس کے سایہ میں آرام کرتا ہوں'

بکریوں کے ایک گلے کا بھی مالک ہوں جو دن بھر چر کر شام کو میرے
گھر آجاتی ہیں (اور دودھ کی ان کی وجہ سے ریل پیل ہو جاتی ہے)
ایک کنیز بھی ہے جو میرے کام کاج میں میرا ہاتھ بٹاتی ہے۔ اس کے
بعد دوراز کار مال مجھے درکار نہیں۔"[1]

اپنی اس باطنی امارت، اندرونی دولت، پر آپ کو اتنا ناز تھا کہ کبھی کبھی
چھلک پڑتے اور فرماتے۔

"بنی امیہ کے امراء مجھے فقر اور اخلاص سے ڈراتے ہیں حالانکہ فقر تو انگری
سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔"[2]

نہ صرف دعویٰ تھا بلکہ عمل اس کی تصدیق کرتا تھا۔ آپ کی روش اس کی
شہادت دیتی تھی۔

ربذہ کی مہمان نوازیاں

مثلاً ان مختصر سامانوں کے ساتھ بھی آپ کا حال یہ تھا کہ عموماً آپ مسافروں کو اپنے پاس ٹھیرایا کرتے، اور جس طرح بن پڑتا، اپنی وسعت کے موافق خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے ایک جلیل القدر تابعی کا بیان ہے کہ

---

[1] حبیب بن مسلمہ صحابی تھے یا تابعی لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی، بہرحال حضرت معاویہ کی ماتحتی اور ان کے اشارے سے۔ رومی علاقوں پر انھوں نے بڑی بڑی کامیاب مہمیں سرکیں رومیوں کے ساتھ اسی جہاد کے شغف کی وجہ سے پیار سے حضرت ابوذر ان کو "حبیب الروم" کہا کرتے تھے، یعنی یورپ والا حبیب) یہی لقب حبیب کا۔ عوام میں مشہور ہو گیا تھا۔ آرمینہ کا مہم میں وفات پائی۔ اور اسی علاقے میں مدفون ہیں لکھا ہے کہ ان کا شمار ان لوگوں میں تھا جن کے دعا کبھی رد نہیں ہوئی (تہذیب التہذیب ج ۲)

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم انساب الاشراف میں بھی اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے ۱۲ ص ۱۶۲ حلیہ ۱۲

ربذہ میں حضرت ابوذر کے یہاں بہت سے مہمان اترے ہوئے تھے رات کا وقت تھا۔ آپ خود اُٹھے، اور جس قدر بکریاں تھیں۔ ایک ایک کرکے آپ نے سب کا دودھ خوب نچوڑ نچوڑ کر نکالا حتی کہ کوئی تھن باقی نہ رہا۔ اس کے بعد گھر سے جاکر کچھ کھجوریں لے آئے۔ جو کچھ دودھ تھا اس کو اور کھجوروں کو لے کر مہمانوں کے سامنے حاضر ہوگئے، اور نہایت دردناک لہجے میں آپ نے ان کو سامنے بڑھا کر فرمایا، کاش! اس سے بہتر چیز اگر میرے پاس ہوتی تو میں اُسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتا، مہمانوں کی تعداد چوں کہ زیادہ تھی، اس لئے نہ تو دودھ ہی کا ایک قطرہ بچا۔ اور نہ ایک کھجور ہی باقی رہی۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رات میں کوئی چیز اپنی زبان پر نہیں رکھی[1] رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صرف یہی نہیں، عموماً آپ کی یہی عادت تھی۔ طبقات میں ہے کہ عیسیٰ بن عمیلہ الفرازی کہتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے جس نے ابوذر کو دیکھا تھا بیان کیا کہ۔

یحلب غنیمة له فیبدأ بجیرانه واضیافه قبل نفسه ص۱۶۳	اپنی بکریوں کا دودھ نکالتے اور اپنے نفس سے پہلے اپنے پڑوسیوں اور مہمانوں پر تقسیم کرتے تھے۔

اور وہ واقعہ تو گزر ہی چکا کہ مہمان کو سیر کرنے کی غرض سے آپ نماز میں مشغول ہوگئے۔ جب اس کا پیٹ بھر گیا۔ تب نماز سے فارغ ہو کر اس کے ساتھ شریک ہوئے یہ واقعہ بھی ربذہ ہی کا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملنے کی امید

الحاصل ربذہ میں آپ کی زندگی نہایت بشاشت اور مسرت سے گزرتی تھی کہ جو آپ کی سچی آرزو تھی۔ وہ یہاں بخوبی پوری ہو رہی تھی وہ فرصت میسر آئی جس کے

[1] طبقات ص۱۶۲ ج ۴ مطبوعہ لندن ۱۲

بعد یک سوئی دیک دلی کے ساتھ ع

بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

سے ان کو کون روک سکتا تھا، صاحب "حلیہ"

محمد بن واسع سے ناقل ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خاص کر بصرہ سے بقصد ربذہ اس لئے روانہ ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاغل کو آپ کی حرم محترمہ صاحبہ سے دریافت کروں، جن میں ربذہ کی زندگی گزری۔ بیوی صاحبہ نے ان کی مصروفیت کا صرف اس قدر جواب دیا۔

کان النھار اجمع یتفکر۔ | دن بھر تصور و تفکر میں گزرتا۔

لیکن توبہ کے ابتدائی ایام میں جو خدا کی مرضی و عدم مرضی کے علم حاصل کرنے سے قبل خود اپنی دل سے رات رات بھر اپنی خود ساختہ نماز پڑھا کرتا ہو، اور اتنے انہماک سے پڑھتا ہو، کہ آخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہو، راتوں کو کیا حال ہو گا اس کا جب وہ سب کچھ جانے کے بعد، وہاں جانے کے لئے تڑپ رہا تھا، جہاں جانے سے سب ڈرتے ہیں امراء بنی امیہ[1] کے متعلق کبھی یہ بھی فرماتے۔

---

[1] امراء بنی امیہ سے مراد دراصل اس موقعہ پر وہی طبقہ ہے جس نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیکیوں سے ناجائز نفع اٹھا کر خود اپنے آپ کو جو کچھ رسوا کیا ہو تو کیا ہی مصیبت یہ ہوئی کہ ان کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ایک خاص طبقہ میں خواہ مخواہ کی بدگمانیاں پیدا ہو گئیں انساب الاشراف میں البلاذری نے لکھا ہے، کہ مروان اور حارث بن الحکم بن معاص وغیرہ نے عہد عثمانی میں بڑے بڑے رقوم حاصل کئے، اگو اس سلطنت گیری کے لحاظ سے وہ چنداں اہمیت نہیں رکھتے تھے بعضوں کو چالیس پچاس ہزار روپے مل گئے اور جو اسلامی حقوق زکوٰۃ خیرات کے ان پر عاید ہوتے تھے ان سے لاپروائیاں برتنے لگے تو حضرت ابوذر "کنز" کے حرافی خمیازوں کی دھمکیاں علانیہ ان لوگوں کو سنانے لگے، اسی پر مروان حضرت ابوذر کا سخت مخالف ہو گیا تھا ظاہر ہے کہ ان امراء سے یہی لوگ مراد ہیں ۱۲ دیکھو البلاذری صفحہ ج ۵

"مجھے یہ قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں، حالانکہ اب زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے مجھے زیادہ محبوب ہے"۔ گویا ع

مجھے ڈراتے ہو موت سے کیا میں زندگی ہی سے ڈر چکا ہوں،

اور سچ تو یہ ہے کہ جو زندگی سے ڈر گیا، پھر اُسے کس چیز سے کوئی کیا ڈرا سکتا ہے؟

پچھلی زندگی، آخرت کا خیال ربذہ کے اس عالم خلوت میں آپ پر اس درجہ مسلط تھا کہ آخر میں اس نے جذب کا رنگ اختیار کر لیا تھا، شاید یہ اسی جذبی اثر کا نتیجہ تھا جو ابن سعد نے آپ سے نقل کیا ہے کہ کبھی آپ یہ بھی فرماتے کہ میری پتلی ہونے والی ہڈیاں، اور سپید ہونے والے بال نا امید نہیں کرتے، کہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات نہ کر سکوں گا[۱]" مطلب یہ تھا کہ گو میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے لیکن میرے خیال میں قیامت اُس سے بھی زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام جن کے نزول کی خبر قرب قیامت میں دی گئی ہے، ان سے میری ملاقات ہو جائے۔

الغرض یہاں جو کچھ بھی خیال رہ گیا تھا، وہ آیندہ کا تھا نہ دنیا والوں سے زیادہ ملاقات ہوتی تھی، نہ ان کے ساتھ کوئی معاملہ پڑتا تھا، البتہ بعض واقعات ربذہ کے بعد بھی پیش آئے جن سے ممکن تھا، کہ کوئی فساد پیدا ہو جاتا لیکن آپ نے جس طرح اُسے ٹالا، وہ اپنے اندر عجیب و غریب نتائج رکھتے ہیں خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دشمنوں کی ناکیں اس سے داغ دار اور مجروح اس وقت بھی ہوئی تھیں اور اب بھی مجروح ہیں۔

پہلا واقعہ اور اطاعت عثمانی کی پہلی نظیر | میں لکھ چکا ہوں کہ ربذہ کے عامل، آپ کے زمانہ میں ایک

[۱] طبقات ص۱۷۰ ج ۴ - ۱۲

حبشی غلام (مجاشع) نامی تھے، جس طرح دنیاوی معاملات ان کے سپرد تھے جمعہ جماعات[1] کا تعلق بھی ان ہی سے تھا۔ یہ واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہاں آکر سکونت فرما ہوئے، تو آپ بھی نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہوگئی تو مجاشع بوجہ اپنے غلام ہونے، اور شرف صحابیت سے محروم ہونے کے، آگے بڑھنے سے رُکے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اُن کی یہ حالت دیکھ کر فرمایا کہ آگے بڑھو! جس طرح پہلے نماز پڑھاتے تھے اب بھی پڑھاؤ، مقصد اقدس یہ تھا کہ اگرچہ تم غلام حبشی ہو لیکن جب اولوالامر خلیفہ برحق نے تم کو امیر بنادیا ہے، تو میں بھی تمھیں امیر سمجھتا ہوں، جیساکہ خود بعد کو آپ نے فرمایا۔

"کہ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر حبشی غلام بھی مجھ پر امیر بنایا جائے تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کی باتیں سنوں، اور اس کی فرماں برداری کروں[2]"

گویا اس خواب کی تعبیر ربذہ میں آکر پوری ہوئی۔ اور یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے ربذہ آنے سے پہلے یہ غلام یہاں کے امیر تھے۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ جائے کہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آپ کے بعد اسے وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔

---

[1] جمعہ کی نماز ربذہ میں ہوتی تھی خود حضرت ابوذر بھی پڑھتے تھے کما ذکرہ فی الکبیر۔ رہی یہ بات کہ وہ گاؤں تھا وہاں کس طرح یہ نماز ہوتی تھی اس کا جواب فقہائے امت کا کام ہے اتنا تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مرفوع حدیث کا مقابلہ اثر نہیں کرسکتا۔ ممکن ہے کہ اصول حنفیہ پر یہ بھی کہدیا جائے کہ ربذہ مصر تھا اس لئے کہ کل موضع حل فیہ الامیر فہو مصرٌ! امام محمد کا فتویٰ ہے، اور ظاہر ہے کہ مجاشع یہاں کے امیر تھے،

[2] طبقات ابن سعد ۱۲

اطاعت کا دوسرا واقعہ

عبد اللہ بن سبا کو جب اس کی خبر ملی کہ حضرت معاویہ رضؓ کی شکایت کی بناء پر خلیفہ اسلام نے حضرت ابوذر کو شام سے مدینہ بلوایا اور کعب احبار سے مناظرہ کرایا۔ حتیٰ کہ انہی وجوہ سے اب وہ گاؤں میں جا کر عزلت گزیں ہو گئے ہیں۔ اس کے کارندوں نے اور بھی نمک مرچ ملا کر اس واقعہ کو غلط آب و رنگ کے ساتھ اس کے سامنے ظاہر کیا تو اس کو فوراً خیال گزرا کہ ایسی صورت میں حضرت ابوذر کو حضرت عثمان سے بدظن کرنا آسان ہے، مسئلہ کنز پر نزاع موجود ہے، اسی کو کسی عمدہ صورت میں پیش کر کے ان کو مخالفت پر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔

چوں کہ ابوذر کا تقدس و ورع عام طور پر مسلمانوں میں مسلم ہے، اور خود اس کے ساتھ ایک بڑا قبیلہ غفار کا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ان کو شریک کار بنا لینے کے بعد، ہماری سازش مکمل ہو جائے۔ اور جو آگ میں نے تیار کی ہے، اس کے شعلے ابوذر ہی کے ہاتھ سے اسلامی آبادیوں تک پہنچا دے جائیں۔

الغرض اسی قسم کے بیہودہ خیالوں کو سامنے رکھ کر اس نے ایک وفد تیار کیا بقول[1] ابن خلدون، سرخیل وفد خود ہی ہوا۔ کوفہ میں اس مفسد وفد کا نظام مرتب کیا گیا اور یہیں سے تیار ہو کر ان بد باطنوں کی جماعت ربذہ روانہ ہوئی۔ بطور مہمانوں کے یہ لوگ آپ کے دولت خانہ پر آ کر ٹھہرے۔ آخر موقع پا کر ایک شخص نے اس طرح تقریر شروع کی۔

"اے ابوذر! اس شخص (عثمان) نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا کیا، (یعنی آپ کے ساتھ اتنی بدسلوکیاں کیں کہ ہم اس کی تفصیل بھی نہیں کر سکتے)

پس کیا آپ تیار ہیں کہ اس کے خلاف میں آپ بغاوت کا پھریرا بلند کریں"

---

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۳۹ ۱۲

ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ جتنے آدمیوں کی ضرورت آپ کو ہوگی، اس کا پورا انتظام کیا جائے گا، آپ صرف جھنڈا بلند کر دیجئے"[1]

طبقات میں ان کی تقریر کا صرف اسی قدر حصہ مذکور ہے، لیکن یہ مفسدین جس درجہ شاطر و عیار تھے، اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ باتیں اُنھوں نے کہی ہونگی۔

بہرحال ان کے کان منتظر تھے کہ امید کی صبح بہائے ابو ذرؓ کی جنبش سے عنقریب طلوع ہونے والی ہے مگر یہ ان کی بدعقلی تھی، اُنھوں نے ابو ذرؓ کو بھی العیاذ باللہ ان حواس باختوں میں شمار کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں پر عبداللہ بن سبا کی افتراپردازیوں کو ترجیح دے کر داماد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خون سے رنگین قبا ہوئے، یا جو آج ان ہی مختلف روایتوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کرامت اسلامیہ کے سب سے بڑے حیا پرور انسان پر شرمناک حملے کر رہے ہیں مالھم بہ علم ولا لاٰبائھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا عصر حال کے کج فہموں کو بھی سننا چاہیئے کہ اس نامراد جماعت کو حضرت ابو ذرؓ کی جانب سے کیا جواب ملا۔ آپ نے ان کی تقریر سننے کے بعد فرمانا شروع کیا۔

> "مجھ پر یہ بات ہرگز نہ پیش کرو، دیکھو اپنے بادشاہ کو ذلیل و رسوا نہ کرو، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جس نے اپنے بادشاہ کو ذلیل و خوار کیا اس کے لئے توبہ کا دروازہ بھی بند کر دیا جاتا ہے۔
>
> خدا کی قسم عثمانؓ مجھے اونچی سے اونچی لکڑی یا بلند سے بلند پہاڑ پر بھی چڑھا کر اگر پھانسی دے دیں گے تو میں اسے مانوں گا اس حکم کے آگے

---

[1] یہ تمام تفصیل طبقات سے ماخوذ ہے ۱۲

سرِ تسلیم خم کردوں گا، صبر کروں گا اور خدا سے اس صبر پر ثواب کی امید رکھوں گا میں سچ کہتا ہوں کہ اگر عثمان ایسا کریں گے تو میں اپنے لئے اسی کو بہتر سمجھوں گا، اسی طرح اگر عثمان آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک مجھے دوڑنے کا حکم دیں گے، یا جہاں سے آفتاب اوگتا اور جہاں جا کر ڈوبتا ہے اس کے درمیان میں مجھے چلنے کا امر کریں گے

تو میں اسے مانوں گا، سنوں گا، بجالاؤں گا، اور صبر کروں گا، اور اس صبر پر خدا سے ثواب کی امید رکھوں گا، اور اپنے حق میں اسی کو بہتر خیال کروں گا۔ اسی طرح اگر وہ مجھے گھر میں رہنے دیں گے (تو ٹھیک جس طرح گزشتہ باتوں میں میرا حال ہوگا) اسی طرح اس حکم کو بھی مانوں گا، سنوں گا، اس وقت بھی ان کا مطیع ہوں، فرماں بردار ہوں اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھوں گا۔ صبر کروں گا اور خدا سے اجر کی امید رکھوں گا[1]"

یہ تقریر جس بلیغ و موثر پیرائے میں ابوذرؓ کے اندرونی جذبات کی ترجمانی کر رہی ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرکشوں کے ہوش اڑ گئے ہوں گے، امید معاونت تو کجا، خود انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔

اللہ اکبر جو شخص اونچی سی اونچی لکڑی کی پھانسی کو، اور گھر میں رہنے کو برابر خیال کرتا ہو، دونوں فرمانوں کو ایک نظر سے دیکھتا ہو، اس کی وفاشعاریوں کی کوئی حد ہو سکتی ہے؟

اس تقریر کے پڑھ لینے کے بعد کون دیوانہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ خلیفہ ثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے صاف

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۱۶۷ ج ۴ - ۱۲ -

نہ تھا؛

ہم نہیں سمجھتے کہ حضرت ابو ذرؓ کی صفائی میں اب اس سے زیادہ اور کیا چیز پیش کریں۔ کیا لفظوں میں اس سے زیادہ اور بھی کوئی بالاتر قوت انسانی ہے جو کسی کی برات کو اس سے زیادہ صاف نکھرے ہوئے رنگ میں پیش کر سکتی ہو واللہ علی کل شئ قدیر۔ جن کی نگاہیں تنگ اور ظرف چھوٹے ہیں ان کو ان زور آور لفظوں کی معاونت سے چاہئے کہ اسے وسیع کریں۔ الحاصل باغیوں نے ربذہ کی درویش کی جس وقت یہ حالت دیکھی ہکا بکا ہو کر رہ گئے اور اسی وقت انھوں نے راہ گریز اختیار کی۔

تیسرا واقعہ اس واقعہ کو عوف شیبانی سے امام احمد نقل فرماتے ہیں، عوف کا بیان ہے کہ۔

ایک شخص تحفے تحائف لے کر حضرت ابو ذرؓ کے پاس ربذہ آیا۔ جب وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ آپ بقصد حج مکہ مکرمہ تشریف لے گئے (مسند احمد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربذہ آنے کے بعد کا ہے لیکن طبری میں ہے کہ یہ واقعہ ۳۰ھ کا ہے جس وقت حضرت ابو ذر ربذہ نہیں آرہے تھے) اس شخص نے بھی کعبہ کی طرف اپنے اونٹ کی مہار پھیر لی، ان سامانوں کے ساتھ جو ان کے لئے لایا تھا مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آخر منیٰ کے میدان میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی زیارت اسے نصیب ہوئی۔ اور اس وقت سے وہ بھی آپ کا شریک صحبت ہو گیا۔

وہی کہتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ منیٰ ہی میں تھا، کہ یکایک غل ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیٰ میں بجائے دو رکعتوں کے چار رکعتیں پڑھیں یعنی بجائے قصر کے نمازیں پوری پڑھیں[1] — (حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

چوں کہ یہ بالکل جدید واقعہ تھا، اس لئے صحابہ میں بے چینی پھیل رہی تھی عبداللہ بن مسعود۔ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک طرف آپس میں مشورے کر رہے تھے۔ باربار عبداللہ بن مسعود کی زبان پر یہ فقرہ آتا تھا۔ فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان (بخاری) کاش چار رکعتوں کے ثواب سے مجھے وہی رکعتیں جو خدا کے نزدیک مقبول ہیں وہی ملتیں

لیکن خلیفہ وقت کی اطاعت کو اُن کی دقیق روحانی بصیرتیں اس قسم کی مسائل پر ترجیح دے چکی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمن کو جو آخری جواب دیا تھا وہ یہ تھا۔

الخلاف شر قد بلغنی انہ صلی اربعًا فصلیت باصحابی اربعًا لہ	خلاف بری بات ہے مجھے خبر ملی کہ حضرت عثمان نے چار رکعتیں پڑھی ہیں اس لئے میں نے بھی چار پڑھیں

ہمارے مجذوب سرمست درویش کو بھی جب یہ خبر ملی تو ابتدا میں آپ پر

(حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب چار رکعت پڑھی تو عبدالرحمن بن عوف نے آکر پوچھا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا، کہ میں نے بعض لوگوں سے سنا کہ یمن کے کچھ لوگ اور بعض گنوار بدوؤں نے اپنے ملکوں میں جاکر مشہور کر دیا ہے، کہ نماز مقیم کے لئے بھی دُو دُو رکعتیں ہی ہیں، یعنی دُو ظہر کی اور دو عصر کی کیوں کہ امیرالمومنین یوں ہی پڑھتے ہیں۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے۔ اس لئے اقامت کی نیت کرکے چار پڑھ لی اور وجہ اس اقامت کی یہ ہے کہ میں نے منیٰ میں نکاح کر لیا ہے۔ اور یہاں سے طائف قریب ہے جہاں میری جائداد بھی ہے۔ اس کی نگرانی کے لئے بھی یہاں اقامت کر لیتا ہوں۔ حضرت عبدالرحمن نے اس پر پھر معارضہ کیا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے دیا کہ "یہ میری رائے ہے" حاصل یہ ہے کہ اقامت کی نیت سے جب آدمی مقیم ہو جاتا ہے تو حضرت عثمان پر اعتراض ہی کیا باقی رہتا ہے ۱۲

لہ طبری صـ۵۷ جـ۳ - ۱۲ -

غصہ طاری ہو گیا اور سخت غیظ میں آکر جھلا کر فرمانے لگے۔

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں نماز پڑھی آپ نے ہمیشہ دو رکعتیں پڑھیں (یعنی قصر کیا)۔ پھر ابوبکرؓ نے بھی دو ہی پڑھیں، عمر فاروق کے وقت بھی یہی ہوتا رہا"

کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد آپ نے کچھ سخت الفاظ بھی استعمال فرمائے خیر جو کچھ کہا ہو ہمیں دیکھنا تو یہ ہے کہ انجام کیا ہوتا ہے، اور خود کہا کرتے ہیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد اُٹھے اور اُٹھ کر آپ نے بھی چار ہی رکعتیں ادا کیں (یعنی قصر نہ کیا) لوگوں کو آپ کی اس شورا شوری اور پھر اس بے تکی پر سخت تعجب ہوا ایک شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا اُس نے فوراً پوچھا۔

"کہ یہ آپ نے کیا کیا جس فعل پر آپ ابھی ابھی امیرالمومنین کی شان میں سخت و سست سنا رہے تھے کس قدر عجیب ہے کہ کھڑے ہو کر پھر اسی فعل کے خود مرتکب ہوئے"[1]

حضرت ابوذر نے اس کے جواب میں وہ باتیں فرمائیں جو حق نیوشوں کے لئے ایک روشن شمع ہے آپ نے فرمایا کہ مجھ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد ایک سلطان ہونے والا ہے دیکھو! اس کو کبھی ذلیل و رسوا نہ کرنا، جس شخص نے اس کی ذلت کا ارادہ بھی کیا اس نے اسلام کے طوق کو گردن سے نکال کر باہر پھینکدیا۔ اس کی دعا کبھی مقبول نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس رخنہ کو جو اس نے اسلام کی دیوار میں پیدا کر دیا ہے بند نہ کرے اور وہ اس رخنہ کو کبھی بند نہیں کر سکتا ہاں اگر پھر اس سلطان کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف رجوع کرے گا تو پھر ان لوگوں میں وہ شمار

---

[1] طبری صفحہ ۳-۱۲

کر دیا جائے گا۔ جو اس کی عزت پہلے سے کر رہے تھے۔[1]

اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا یغلبونا علی ثلث ان تامر بالمعروف وننھی عن المنکر ونعلم الناس السنن[2]

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ یہ لوگ (خلفا) تین باتوں پر غالب نہ آنے پائیں امر بالمعروف (یعنی اچھی باتوں کی تعلیم دینے سے اور نہی عن المنکر (بری باتوں سے لوگوں کو روکنے سے) اور یہ کہ لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز و روش کی تعلیم دینے سے ہمیں نہ روکیں۔

اس واقعہ سے ذیل کے نتائج باسانی نکل آتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوذرؓ نہ صرف دنیاوی معاملات میں حضرت عثمانؓ کی پیروی کو اپنے لئے واجب سمجھتے تھے بلکہ دینی حیثیت سے بھی حضرت عثمانؓ کی رضا کو امور واجبہ (کہ قصر ان کے نزدیک واجب ہے) ترجیح دیتے تھے۔

(۲) باوجودیکہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ جماعت میں شریک نہ تھے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ جب خلیفہ نے چار رکعتیں پڑھیں تو اب ہم پر بھی اس فعل کا کرنا ضروری ہو گیا آپ نے تنہائی میں بھی اپنی نمازیں پوری کیں۔

(۳) آپ نہ صرف دنیاوی عزت بلکہ دینی و اخروی عزت کو حضرت عثمانؓ کی عزت کے ساتھ وابستہ خیال فرماتے تھے میں نہیں سمجھتا کہ اس واقعہ سے یہ نتائج کیوں نہیں نکل سکتے پس غور کر لینا چاہیے کہ جب ایک مقدس و بزرگ صحابی بھی اپنی دینی عزت کا مدار حضرت عثمانؓ کی عزت پر سمجھتا ہے تو جو لوگ نہ صحابی ہیں نہ تابعی ان کی نجات و اعزاز کی کیا صورت ہو گی جبکہ

---

[1] مسند امام احمد ۱۲ [2] مسند ۱۲۔

وہ اپنی ہر بات میں عثمانؓ پر طعن و شناعت کرنے کو اپنا شیوہ قرار دیے ہوئے ہیں۔

الغرض اس واقعہ کے پیش کرنے سے مجھے حضرت ابوذر کی اطاعت کی ایک تصویر اُتارنی تھی اور الحمد للہ کہ وہ پوری اور صاف اُتری۔

یہ الگ بحث ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیوں کیا؟ فقہ میں اس واقعہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے میرا فرض چونکہ اس قسم کے مسائل کی تفصیل نہیں۔ اس لئے میں اس پر مفصل بحث نہیں کر سکتا۔ ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عثمانؓ کے نزدیک سفر میں قصر ضروری نہ ہو، جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے کہ قصر رخصت شرعیہ ہے عزیمت اور اسقاط نہیں ہے بلکہ اسے محض رخصت خیال کرتے ہوں، ہو سکتا ہے کہ دیہات کے گنوار موسم حج میں اس سال زیادہ آ گئے ہوں۔ ممکن تھا کہ اگر ظہر کی آپ دو ہی رکعت پڑھتے تو یہ لوگ گھر جا کر بھی دو پڑھنے لگتے اور سند میں حضرت عثمانؓ کے فعل کو بیان کر دیتے۔ اس مصلحت عام کا خیال فرما کر آپ نے اگر شریعت ہی کے ایک قانون سے نفع اٹھایا تو اس میں کیا حرج ہے[1]

سطحی نظروں میں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن جن دلوں میں اجتہادی بصیرتیں ہیں ان کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی قصر کو واجب سمجھتے تھے اور منیٰ میں اس وقت چونکہ آپ نے سفر کے ارادہ کو متبدل بقصر کر دیا تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے یہ نہیں کہا کہ سفر میں اتمام بھی جائز ہے اس لئے میں نے پڑھی بلکہ آپ کی ہر گفتگو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کو مسافرت سے نکال کر مقیم قرار دینا چاہتے تھے اور اسی کے وجوہ پیش

[1] حاشیہ میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے اس مصلحت کو بیان بھی کیا تھا۔ ۱۲

کرتے تھے۔

اس کے بعد پھر اس معاملہ میں کوئی جان باقی نہیں رہتی اور تمام جھگڑے صرف غلط فہمیوں پر مبنی معلوم ہوتے ہیں جو اس قسم کے مسئلوں میں عام بات ہے۔

وفات ۳۲ ہجری ہجرت کا بتیسواں سال اپنی ہستی فنا کرتے ہوئے اپنے اخیر مہینے ذی الحجہ میں قدم رکھ چکا ہے عرب وعجم کی بے شمار روحیں عشق الٰہی میں سرشار و مست ہو ہو کر مکہ معظمہ کے وادیوں میں پھیل رہی ہیں۔ عراق کے مسافر ذات عرق کے راستہ سے ربذہ کی پرفضا منزل سے گزر کر لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك کی دلگداز آوازوں سے ان دبی چھپی چنگاریوں کو بھڑکا رہی ہیں۔ جنھوں نے ابوذر کے سینہ کو آتشدان بنا رکھا تھا۔

ربذہ کے سامنے سے جو حاجی متانہ لباس میں پابرہنہ گزرتا اگر اور کچھ نہیں کرتا تھا تو کم از کم ابوذرؓ کے دل کو ضرور روندڈالتا تھا۔

خصوصًا اس سال کہ تمام ممالک محروسہ اسلام میں یہ اعلان عام طور سے شائع ہو گیا تھا کہ اس سال بھی مدینہ کا روحانی وجسمانی سلطان اپنے حقیقی ملیک قدوس کے آستانہ پر جبین نیاز جھکانے آئے گا یعنی عام طور پر یہ خبر ملک میں گرم تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حج میں بھی شریک ہوں گے۔

دور دور کے لوگ بیک کرشمہ دوکار کے اصول کو پیش نظر رکھ کر مکہ امنڈے چلے آتے تھے، کہ حقیقی و مجازی دونوں جمال وجلال کا نظارہ

---

[1] طبری ص ... ج ۵۔ مطبوعہ مصر ۱۲

ایک ہی سفر میں ملتا ہے۔ مختلف ملکوں کے صوبہ داروں، والیوں کے نام بھی پروانے جاری کئے گئے تھے، کہ اس سال خدائے واحد کی دربار میں آکر بیت اللہ کے خادم عثمان سے مل جائیں۔

الغرض اس سال کی مختلف خصوصیتوں نے عشق کے بازار کو بہت زیادہ گرم و تیز کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ اسی حالت میں رندمست درویش کی آگ بھی جس قدر اشتعال انگیز ہو کر بھبھک رہی ہوگی اُس کی کوئی انتہا نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ ہوا کہ آخر بیماری دل نے کام تمام کیا۔ مدت سے آہستہ آہستہ سلگنے والی آگ دل و جگر کے ہر ریشہ میں پیوست ہو گئی۔ جو جسم انسانی تھا وہ از فرق تا بقدم انگارہ اور فقط انگارہ ہو کر دہکنے لگا حتیٰ کہ طاقت رفتار نے ساتھ چھوڑا۔ قوتوں نے جواب دیا اور وہ جو کہ سامان سفر میں مصروف تھا۔ بستر مرض پر یاس و ناکامی کی چند ٹھنڈی آہوں کے بعد اس طرح لیٹ گیا کہ پھر کبھی نہ اُٹھا۔

دنیا نے سمجھا کہ کوئی مادی بیماری ہے لیکن جنھوں نے آپ کے حالات کا مطالعہ ابتدا سے کیا تھا وہ سمجھ گئے کہ جو چرکا مکہ کے کسی چبوترہ پر لگایا گیا تھا وہ اب گہرا ہو کر بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا ہے حتیٰ کہ ضعف نے آپ کو اس درجہ مجبور کیا کہ باوجود قرب کے سب سے آگے رہنے والا سر باز آج سب سے پیچھے رہ گیا یا رکھ لیا گیا، آپ جس خیمہ میں بیمار ہو کر پڑ گئے تھے اُسی کے سامنے سے روزانہ حاجیوں کا قافلہ امنگوں، اور ارمانوں کے ساتھ گزرتا۔ اور آپ کے دل پر رہ رہ کر چوٹ پڑتی۔ آرزوں کا ولولہ اُٹھاتا اور تن زار کی کمزوری گراتی ایک عجب کشاکش تھی ہر بن مو سے گویا آواز آرہی تھی۔

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں — طاقت بقدر لذت دیدار بھی نہیں

ضعف کا یہ حال کہ دو قدم چلنا بھی دو بھر تھا اور حسرتوں کی وہ سینہ زوریاں کہ جس طرح بھی ہو ابراہیم کے سر پہ چمکنے والی بجلی یا فاران والی فارقلیط کی روح کو منور کرنے والی تجلی ایک دفعہ دل وجان پر کوند جاتی گذر جاتی۔

لیکن جہاں صرف اپنی خواہشوں کی پابندی ہو وہاں ان باتوں کو کون پوچھتا ہے' آہ کہ جس پردۂ جلال کے ناصیہ پر۔

ان اللّٰہ غنی عن العالمین ۔ اللہ تمام عالم سے مستغنی ہے۔

آتشیں حروف میں لکھا ہوا ہو وہاں "میں یہ چاہتا ہوں" کی آواز کون سنتا ہے ابوذر نے چاہا' لیکن جسے ابوذر چاہتا تھا اس نے نہ چاہا پھر کیا مجال تھی کہ ربذہ کا بیمار ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا تھا۔

آخر یہی ہوا کہ بیماری و نقاہت نے مجبور کیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہٗ اس پر شوکت حج میں شریک نہ ہو سکے۔ کیا کرتے تھک کر ربذہ کے خیمہ میں پڑ گئے۔

ربذہ کے باشندے ایک تو یوں ہی تھوڑے تھے اس پر کل سرکاری آدمی ان بیچاروں کو کیا علم تھا کہ افق غیب میں کیا مستور ہے۔ حضرت عثمانؓ کی آمد کی خبر سن کر وہاں کے کل آدمی مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔

ربذہ بالکل خالی ہو گیا۔ زندہ نفوس میں وہاں صرف آپ کا ایک جسم بیمار اور آپ کے اہل وعیال رہ گئے اور بس۔ اُدھر مناسکِ زیارت کے دن بھی قریب آ چکے تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا سڑک بھی سنسان پڑی ہوئی تھی۔[۱]

---

[۱] استیعاب ابن عبد البر ص۸۳ ج ۴۔ ۱۲

سبحان اللہ کسی کی زبان سے کچھ نکل گیا تھا فقط اس کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا سامان ہو رہے ہیں. ابوذر دمشق سے بلوائے جاتے ہیں۔ مدینہ سے ربذہ بھیجے جاتے ہیں۔ حج کے بہانے سے ربذہ کو خالی کیا جاتا ہے۔ اور آہ کہ وقت بھی وہ رکھا جاتا ہے، کہ راہ کا راہی اور سڑک کا کوئی مسافر بھی میسر نہ آسکے۔ ع

"ایں ہمہ غوغا برائے نیم جانے می شود"

کہ فعال لما یرید کی قوتوں کو مانو اور اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤ۔

خیر جب سارا سامان تیار ہو گیا دیکھ لیا گیا کہ شرائط جو زبان سے ادا ہوئے تھے، ٹھیک پورے ہو چکے ہیں کہ یکایک اسی ہُو کے میدان میں جہاں چند جانوں کے علاوہ دور دور تک شاید کوئی پر مارنے والا پرند بھی موجود نہ تھا۔ ربذہ کی صوفی خیمہ والی کالی تیمار دار عورت (یعنی حضرت ابوذر کی حرم محترمہ نے) ایک چیخ ماری، خدا جانے اُنھوں نے کیا دیکھا اور کس کو دیکھا۔ مگر فوراً ہچکیوں میں ملی ہوئی نرم آواز میں حضرت ابوذر کے بستر سے آواز آئی "تم کو کس نے رلایا۔"

بیوی صاحبہ۔ تمھارا وقت قریب آگیا ہے اور میں عورت ہوں، اتنی قوت نہیں کہ اس پتھریلی زمین میں تمھارے لئے ..... کھود سکوں گی۔ اور آہ کہ گھر میں ایک دھجی بھی نہیں جس میں تمھیں لپیٹ کر..... کر سکوں گی۔

حضرت ابوذرؓ یہ سن کر نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ان سامانوں کا جو اصلی منشا تھا اس کو ان الفاظ میں ظاہر فرمانے لگے۔

"مت رو! اس لئے نہ رو، میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا، اس وقت آپ نے فرمایا کہ "قطعاً تم

لوگوں میں سے ایک شخص ایک چٹیل سنسان وادی میں جان دے گا

جس کے جنازے میں مسلمانوں کا ایک گروہ آکر شریک ہوگا۔ اور میں اس

دن سے اندازہ کر رہا ہوں کہ وہاں پر جتنے لوگ تھے ان میں سب کے سب

کسی شہر یا آبادی میں وفات پا چکے اور اب صرف میں اکیلا رہ گیا ہوں۔ جو

اس وقت اس وادی بیکسی میں دم توڑ رہا ہوں۔ بس جا! راستہ پر

جا کر بیٹھ۔ مسلمانوں کی کوئی جماعت ضرور آرہی ہوگی۔ کیونکہ خدا کی قسم

نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔

بیوی صاحبہ۔ خدا جانے اب لوگ کہاں سے آئیں گے حاجیوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بند ہو چکا تھا۔ راستہ بالکل سنسان پڑا ہوا ہے۔

آپ نے فرمایا۔ تم جاؤ تو سہی جا کر دیکھو بھی تو۔

سمجھنے والوں کو اب جا کر معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوا تھا ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کے لئے ہو رہا تھا۔ غفار کا بہادر جوان صید گاہ عشق میں کودا تھا۔ اس پر جو تیر چلایا گیا تھا آج جا کر نشانہ پر بیٹھتا ہے۔

روتی دھوتی۔ یاس و ناکامی کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ اٹھیں اور سڑک کے کنارے آکر بیٹھ گئیں۔ مایوسانہ نگاہیں افق تک پھیل کر کسی چیز کو انتہائی بے کسی کے ساتھ ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اور پھر ناکامیوں کے ہجوم میں واپس آجاتیں۔ یہ سلسلہ آمد و رفت کا اسی طرح قائم تھا کہ یکایک مبتدا کے چہرے سے نقاب اٹھا گیا اور اس کی خبر گرد و غبار کی صورت میں ایک جانب سے آگئی۔ بیوی صاحبہ کا اس وقت کیا حال ہوا ہوگا لکھنے کی ضرورت نہیں سوچنے کی ضرورت ہے۔

پردہ چاک ہوتا ہے۔ اور اندر سے گردنیں اٹھائے اونٹوں کی ایک قطار انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ نمودار ہوئی۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ اس طرح اڑے چلے آرہے تھے کہ گویا بھاری پرندوں کی ٹولیاں زناٹے بھرتی ہوئی آرہی ہیں۔ عربی عماموں والے شتر سوار گردوغبار میں ڈوبے ہوئے اس پر سوار تھے آناً فاناً وہ لوگ بیوی صاحبہ کے سر پر پہنچ گئے۔ ان لوگوں کی یکایک نگاہ آپ پر پڑی۔ اس عالم تنہائی میں ایک عورت کا اس طرح سے کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دینے کے لئے کافی تھا۔ نکیلیں ڈھیلی کردی گئیں اونٹ روک دئے گئے۔ جو آگے تھا اس نے آپ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"بیوی صاحبہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ پر کیا حادثہ گزرا؟

بیوی صاحبہ۔" مسلمانو! ایک آدمی بیچارہ مر رہا ہے خدا کے لئے اس کے دفن کا سامان کرو"

اس کے بعد جو جملہ آپ کی زبان سے نکلا' دل کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے کلیجہ پاش پاش ہوا جاتا ہے بے نیازی کی بے نیازیوں کا مرقع کچھ اس طرح آنکھوں کے سامنے عریاں ہوتا ہے کہ دل بیٹھا جاتا ہے اللہ اکبر! ابوذر راتوں کو پیشانی گھس گھس کر صبح کر دینے والا ابوذر' آہ کہ وہی ابوذر جس نے عشق و سرمستی میں اپنی عمر کاٹ دی۔ توحید و سنت کی اشاعت میں دربدر پھرنے والا ابوذر! محض آسمانی محبوب کی رضا جوئی میں دولت و امارت سے کنارہ کش ہونے والا ابوذر! صرف اسی کی پوجا کے لئے آبادیوں کو چھوڑ کر جنگل کے پکھیرو کی طرح زندگی گزارنے والا ابوذر! آہ کہ وہی ابوذر! آج ایک جنگل میں جان دے رہا ہے اور اس طرح دے رہا ہے کہ ان کی بیوی "اللہ اللہ!

مسافروں کے سامنے اس لئے کھڑی ہیں کہ ان کے کفن کے لئے بھیک مانگیں۔
غنی مطلق کی استغنائے مطلق کی یہ کار فرمائیاں ہیں اس روحانی
بادشاہ کی بیوی کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں اور مقربوں صدیقوں کا
زہرہ آب ہوا جاتا ہے۔

"اس بیچارے مسلمان کے پاس کفن نہیں ہے خدارا ان کے کفن کا
بھی سامان کرو۔ خدا کے یہاں اجر پاؤ گے"

شتر سوار نے پوچھا کہ وہ کون آدمی ہے۔ آواز آئی

"ابوذر صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ سن کر ہوش اُڑ گئے۔ حواس خبط ہو گئے۔ کہرام مچ گیا۔ سننے والوں نے
شور برپا کر دیا غل تھا کہ:

"وہ! اُن پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں، وہ! ان پر ہمارے
ماں باپ قربان ہوں"

اونٹوں کی پیٹھیں خالی ہو گئیں کوڑے ان کی گردنوں میں لٹکا کر چیختے ہوئے
گریاں و نالاں افتاں و خیزاں مریض کے خیمہ کی طرف دوڑ پڑے[1]

حضرت ابوذرؓ نے بیوی صاحبہ کو ادھر بھیج کر اپنی بچی کو پکارا اور فرمایا۔

"بیٹی ایک بکری ذبح کر لو اور فوراً اس کے گوشت کو آگ پر چڑھا دو۔
گھر میں مہمان آرہے ہیں جب وہ مجھے دفن کریں تو تم ان سے کہنا کہ ابوذر
نے آپ لوگوں کو خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک نہ کھالیں اپنی سواریوں پر
سوار نہ ہوں"[2]

---

[1] یہاں تک واقعات طبقات ابن سعد سے ماخوذ ہیں۔ مسند احمد وغیرہ میں بھی موجود ہیں ۱۲

[2] تاریخ طبری ج ۵۔ ص ۱۰۱ مطبوعہ مصر ۱۲

اس کے بعد فرمایا کہ مہمانوں کی ایک اور جماعت آنے والی ہے جو کھاتی پیتی نہیں لیکن خوشبو سونگھتی ہے ایک نافہ مشک کا پڑا ہوا ہے، اسی کو گھس کر پانی میں ملاؤ۔ اور تمام خیمہ پر اُسے چھڑک دو۔ عنقریب وہ آنے والے ہیں[1]

روح جسم کو چھوڑ رہی ہے سکرات کی حالتیں طاری ہیں لیکن اس وقت بھی جو خیال عملی صورت اختیار کر رہا ہے وہ وہی ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں، کہ علم عمل پر منطبق ہو جائے۔

خلیل ابو ذر علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے بتایا تھا کہ مہمانوں کا اکرام کیا کرو۔ پس گو جان نکل رہی ہے لیکن جو قول اس میں منجذب ہو گیا تھا اس پر عمل کرنا بھی ضرور ہے۔

خیر یہاں تو یہ سامان ہو رہے ہیں اتنے میں آہ و بکا کی غوغا میں شتر سواروں کی جماعت خیمہ کے اندر آ گئی، مسلمانوں کی اس جماعت کو دیکھ کر جاں بلب ابو ذر کے بدن نے گویا ایک جھرجھری سی لی۔ یکایک حجۃ الوداع کی آخری وصیت نبویہ صلی اللہ علی صاحبہا

الا فلیبلغ الشاھد الغائب | دیکھو جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر لوگوں کو میرا قول پہنچا دے

موت کی تمام سختیوں پر غالب آ گئی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر فرمانے لگے۔

> "تمہیں خوشخبری ہو تم لوگوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مژدہ سنا گئے ہیں (یعنی فرمایا تھا) کہ مسلمانوں کی ایک جماعت آ کے کفن و دفن میں شریک ہو گی"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصدیق کہ فلاں شخص مسلمان ہے یا فلاں جماعت مسلمانوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے زیادہ جان بخش گرانمایہ مژدہ

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۶

اور کیا ہو سکتا ہے اس کے بعد حضرت ابو ذرؓ نے فرمایا۔

"ایک اور مژدہ سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جن دو مسلمانوں کے درمیان دو بچے مرگئے ہوں یا تین بچے مرگئے ہوں اور ان کی موت پر انھوں نے صبر سے کام لیا ہو اور صبر پر ثواب کی امید لگائی ہو تو یہ دونوں ہمیشہ کے لئے آگ کے شعلوں سے جدا ہو گئے۔"

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابو ذرؓ نے جو یہ حدیث بیان کی عموماً اس پر برانگیختہ کرنے والا تبلیغ کا جذبہ دیرینہ تھا۔ تاہم یہ بات البتہ قابل غور ہے کہ آپ نے خاص کر اسی روایت کو یہاں پر کیوں بیان کیا؟ میں اس کا قطعی جواب تو نہیں دے سکتا، پھر بھی قرائن و قیاسات کا مقتضیٰ ہے کہ آپ کو یہ بھی جتانا منظور تھا کہ دیکھو ابو ذر! اس دنیا سے جاتا ہے مگر اپنے اعمال و افعال پر بھروسہ کر کے نہیں جاتا۔ اپنی صدقات وخیرات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی جان جان آفریں کے سپرد نہیں کرتا۔ ان چیزوں میں سے اس کو کسی پر غرہ نہیں۔ کسی پر بھروسہ نہیں۔ ہاں صرف ایک آس ہے کہ اس کے چند بچے مر چکے ہیں، الرحم الراحمین شاید اسی کو بخشائش و مغفرت کا ذریعہ بنا دیں فقط ایک یہی تنہا چیز ہے کہ جو ممکن ہے کہ رحمت ایزدی کو اس کی طرف متوجہ کر سکے اور اسی وقت پر کیا موقوف ہے، بسا اوقات لوگوں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا۔

واللہ لوددت ان اللہ عزوجل خلقنی یوم خلقنی شجرۃ تعضد و توکل ثمرھا	خدا کی قسم میرے دل کی یہ آرزو ہے کہ کاش! حق تعالیٰ نے جس دن مجھے پیدا کیا، ایجائے آدمی کے اگر میں ایسا درخت بن کر پیدا ہوتا کہ جو کاٹ دیا جاتا ہے (اور جب تک کٹتا نہیں) لوگ اس کے پھل کھاتے

اور یہ تو ایک صوفیانہ نکتہ ہے کہ موت سے پہلے جس قدر خشیۃ و خوف خدا اپنے دل پر

غالب کر سکتے ہو کرتے رہو۔ پر جب موت کی گھڑیاں سر پر آ جائیں اس وقت بیم و دہشت کو سینے سے باہر نکال کر صرف امید نجات و فوزِ رحمت و غفران سے دل کو لبریز کر لو شیخ المجاذبہ اس وقت اسی شغل میں مصروف ہیں۔

اس کے بعد آپ کے دل سے ایک شورش انگیز روح فرسا، حوصلہ گسل آواز اُٹھی، اور بصد حسرت و یاس اُٹھی، صحابیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اے کاش کہ میرے پاس اتنے کپڑے ہوتے کہ میں اس میں سما کر اسے کفن بنا لیتا ...... تو پھر میں اس کے علاوہ اور کسی کفن کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

مگر ..... (یعنی جو خدا کی مرضی یہی ہے کہ اپنے کفن میں لپیٹا نہ جاؤں اور آپ لوگ اپنا کفن دیں) اب آپ لوگوں کو وصیت کرتا ہوں، خدا کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے جو شخص بھی کفن دے وہ نہ تو کسی صوبہ کا والی ہو اور نہ عریف[1] ہو اور نہ ڈاکیہ ہو۔"

اتفاق تو دیکھو کہ اس جماعت میں جتنے آدمی تھے۔ قریب قریب ہر ایک ان عہدوں میں سے کسی ایک پر ممتاز تھا۔ صرف ایک انصاری جوان البتہ ایسا تھا جس میں یہ باتیں نہیں تھیں۔ وہی بول اٹھا کہ مجھ میں آپ کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور میرے تھیلے میں دو چادریں بھی نئی رکھی ہوئی ہیں۔ جن کے سوت میری ماں کے ہاتھ نے کاتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان چادروں کو میری ماں نے بُنا ہے۔ اور ایک چادر یہ ہے جو میرے بدن پر پڑی ہوئی ہے۔ ملا کر تین کپڑے ہو جاتے ہیں، جو کفن کے لئے کافی ووافی ہیں۔

---

[1] عریف ایک جماعت کے اس نمایندے کو کہتے ہیں، جو حکومت کے سامنے جماعت کا ذمہ دار ہو ۱۲

حضرت ابوذرؓ نے یہ سن کر فرمایا۔

"ہاں تو تم میرے حسب منشا ہو۔ بس انھیں کپڑوں میں مجھے کفنانا!"

اس گفتگو کے بعد اور کیا کیا باتیں ہوئیں، مورخین ان سے ساکت ہیں ہاں طبقات ہی میں ایک اور روایت موجود ہے۔ جو بظاہر بلکہ یقیناً اس روایت کے مخالف ہے، حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کے تضاد پر تنبیہ بھی کی ہے، اور بغیر کسی جواب کے آگے نکل گئے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک راویوں سے اس میں چوک ہوئی ہے اقرب الی الصحت اس کی ترتیب یوں معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ۔

"مجھے نہلا دھلا کر کفن پہنا کر سڑک پر جا کر ڈال دینا، اور دیکھتے رہنا سب سے پہلے سواروں کی جو جماعت گزرے اُن کو ٹھیرا کر کہنا کہ یہ ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، تم لوگ ان کے دفن میں میری مدد کرو۔"

۸ ذی الحجہ ۳۲ ہجری

انا للہ وانا الیہ راجعون" خدا کی ہر چیز خدا ہی طرف جانے والی ہے آخر وہ وقت عظیم آگیا، آسمانوں سے فرشتے اتر پڑے اور اس خستہ و نزار سوختہ و بریاں جان کو جس نے خدا جانے اس عنصری دور میں نشیب و فراز عالم کے کتنے حوادث دیکھے، اور خود اس قفس خاکی میں بند ہو کر کیا کیا تھا۔

اسی کو لینے کے لئے دنیاوی مخمصوں سے نجات دینے کے لئے قدوسیوں کی جھرمٹ میں موت کا فرشتہ مشک بیز خیمہ میں اپنے میزبان کے پاس پہنچ گیا۔

حجابات اُٹھنے لگے۔ اَن دیکھی چیزیں آنکھوں کے سامنے چلتی پھرتی نظر آنے لگی۔ ابو ذرؓ نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں دنیا والوں کو اس آخری نقطے سے مخاطب فرمایا "قبلہ کی طرف میرا رُخ کردو۔"[1]

اس آخری حکم کی آخری تعمیل کردی گئی۔ اس کے بعد خلوص وسچائی کے اندر ڈوبے ہوئے الفاظ فضائے خیمہ میں اس طرح گونجے "بسم اللّٰہ وباللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم" انہیں پاک آوازوں کے ساتھ خاک آب وآتش وباد کے کُرّے ایک تاباں روشنی اور مقدس تعلق سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئے۔ سراج منیر محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے انوار سے دمکنے والا ماہتاب ٹھیک آٹھ ذی الحجہ کو ربذہ کے حوالی اُفق میں غروب ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

نفس مطمئنہ "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کی صدائے روح پرور پر زمین سے اُکھڑی اور جہاں بلائی گئی پہنچ گئی۔ جس نے اپنے کو خدا کے لئے بنادیا تھا وہ نہایت امانت کے ساتھ پیمانِ وفا کو پورا کرتے ہوئے جلال وجمال کی مستور کششوں میں غرق ہوکر جس کے لئے تھا اسی کے پاس چلا گیا۔

وماکان قیس ھلکہ ھلک واحدٍ ولکنّہ بنیان قوم تھدّما

مجذوبوں کا سردار رئیس الطائفہ فقیری کی ایک جدید یادگار چھوڑ کر دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگیا۔

جنازہ آنکھیں بند کی گئیں انگوٹھے باندھے گئے غسل دینے والوں نے نہلایا انصاری نوجوان نے کپڑے نکال کردئے اور اس جسم کو جس نے

[1] کامل ابن اثیر ص۱۰ ج ۳۔

اسلام کے بعد خدا کی مرضی میں اپنی خواہشوں کو جذب کر دیا تھا ایک غیر کے کپڑے میں کفنایا گیا جسب وصیت آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور عام گزرگاہ پر لا کر رکھ دیا گیا۔

ادھر کوفہ سے استاد المسلمین، معلم الامۃ، فقیہ الاسلام حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمرہ کا احرام باندھے ہوئے مع ایک جماعت کے مکہ مکرمہ کے ارادے سے تشریف لا رہے تھے۔

آپ کو اس المناک سانحہ کا علم تھا یا نہیں مجھے کیا معلوم۔ تاہم ظاہر حال یہ تھا کہ آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اونٹ کو بھگاتے ہوئے لا رہے تھے۔ قریب تھا کہ جس کا جنازہ بیکسی کے ساتھ راستہ پر پڑا ہوا تھا وہ سواری کے نیچے آجائے۔ لیکن یکایک آپ ٹھٹھک گئے۔

جنازہ کو اس طرح پڑا ہوا دیکھ کر اپنے اونٹ کو روک لیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ٹھیرا لیا۔ لوگ سڑک کے نیچے آنے والوں کا انتظار کر رہے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر سامنے آگئے۔ اور آکر کہا۔

"ابوذر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے دفن میں ہم لوگوں کی مدد کیجئے"

ایک زبردست دھکا تھا جس نے اچانک ابن مسعودؓ کی روح میں زلزلہ ڈال دیا۔ ابن عبد البر کی روایت ہے کہ سنتے ہی آپ نے ایک چیخ ماری۔ اور مجنونانہ اپنے اونٹ سے اتر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور حالت وارفتگی میں آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "میرے دوست میرے بھائی"۔ اخیر میں فرماتے:۔

"مبارک ہو تم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ ابوذر

اکیلا ہی چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اُٹھے گا۔"

حتیٰ کہ کم از کم مرنے والا اگر اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جاتا تو اپنے گھر کا کفن یقیناً لے جاتا ہے۔ لیکن ابو ذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا یہ عالم ہے کہ کفن بھی اس کے ساتھ اپنا نہ تھا لوگوں نے حضرت ابن مسعودؓ سے نماز کی درخواست کی جنازہ آگے رکھا گیا۔ اس وقت کا نظارہ کتنا عظیم الشان اور دل ہلا دینے والا نظارہ ہو گا۔ سامنے اس کا جنازہ رکھا ہوا ہے جو اپنے محبوب سے اسی طرح ملنے جا رہا ہے۔ جس طرح اسے چھوڑ کر آپ تشریف لے گئے تھے۔

جنازہ کا امام وہ شخص ہے جس کی مرضی دنیا کے سب سے بڑے آدمی کی مرضی قرار دی گئی۔ اور جن کے عہد و علوم پر اعتماد کرنے کی وصیت خدا کے آخری پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو فرمائی۔[۱]

اور صفوں میں بشرین کی وہ جماعت ہے جن کے اسلام کی تصدیق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی۔ اور جن کا بیشتر حصہ ان لوگوں پر شامل تھا جن کے ملک سے عرب کے بنی ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی خوشبو آئی ابن سعد کا بیان ہے کہ پہلا گروہ کل یمانیوں پر مشتمل تھا۔ ابن اثیر نے دونوں گروہ کے آدمیوں کے ناموں کی تفصیل بھی لکھی ہے میں بھی ان کی تفصیل اسی سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود۔ اسود بن یزید۔ علقمہ بن قیس نخعی۔ مالک بن الاشتر نخعی

---

[۱] بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ مناقب مذکور ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "تدوین فقہ" ۱۲

[۲] حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کی یہ عجیب خصوصیت ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

حلحال[۵] ضبتی۔ حارث[۶] بن سوید تیمی۔ عمر[۷] بن عتبہ السلمی۔ ابن[۸] ربیعہ سلمی۔ ابوالغز[۹] تمیمی
ابو[۱۰] رافع مزنی۔ سوید[۱۱] بن شعبہ تمیمی۔ یزید[۱۲] بن معاویہ تمیمی۔ و اخا[۱۳] القرثع الضبی۔
اخو[۱۴] معضد الشیبانی۔

الغرض میدان میں بصد بیکسی جو دم توڑ رہا تھا محض اس کی خاطر تھی کہ کوفہ کی زمین ہلائی جاتی ہے اور فقیہ الاسلام معلم الامۃ کو زبردستی کھینچ کر جنازہ پر لاکر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ جاننے والے جانیں کہ جو خدا کے لئے مرتا ہے خدا اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرتا۔

مجھے بار بار حیرت ہوتی ہے کہ حج کا موسم جب ختم ہو رہا ہے ایام حج بھی گزر رہے ہیں ایسے وقت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ کا مکہ آنا ایک محض بے موقعہ سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ان کو اگر آنا تھا تو پھر خواہ مخواہ چند دنوں کے لئے انھوں نے حج کو کیوں چھوڑا۔ میں اس معمہ کو آج تک نہیں سمجھ سکا۔ پھر اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا یہ فرمانا کہ دیکھتے رہنا کوئی آتا ہوگا۔ عجیب اسرار ہیں جو علت و معلول کے سلسلہ میں کسی طرح درج نہیں ہوتے۔ رہ رہ کر میری زبان پر یہ مصرعہ جاری ہو جاتا ہے کہ

اے زائر حرم غرض زیں طوف خانہ چیست

نماز کے بعد جنازہ اٹھا، کن کاندھوں پر اٹھا، اور کس کا اٹھا چشم بصیرت

(بقیہ سلسلہ گزشتہ) عام طور پر لوگوں کی تمنا ہوتی ہے کہ مرنے سے جنازے کی نماز کوئی عالم دین پڑھاتا، لیکن قدرت نے حضرت ابوذر کے لئے اسی آرزو کو عجیب طرح سے پوری کی کہ اسلامی دینیات کی سب سے زیادہ معتبر ترین شکل یعنی "حنفیت" جس صحابی اور تابعیوں کے ذریعہ سے امت تک پہنچی ہے اسی فقہ کے تینوں امام یعنی عبداللہ بن مسعود علقمہ اور اسود سب اس میں شریک ہیں ان بزرگوں کے صحیح مقام اگر جاننا چاہتے ہوں تو میری کتاب تدوین فقہ میں دیکھئے ۱۲

دیکھے اور رشک و غبطہ کی موجیں دوں سے اچھل اچھل کر نجات کی راہیں ڈھونڈھنے والوں کو تڑپائیں۔

سب سے پہلی منزل کے دہانہ پر غفار کے سب سے بڑے انسان کو لایا گیا قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ اور لوگوں کے ساتھ قبر میں اُترے۔ اُتر کر اس سرچشمۂ صدق و امانت کو جس سے زیادہ سچی زبان والے انسان پر آسمان نے کبھی سایہ نہیں ڈالا تھا۔ اور نہ جس سے زیادہ صدیق وراست باز لہجہ کو زمین نے اپنی پشت پر کبھی اُٹھایا تھا۔ ربذہ کی ایک کنج عافیت اور شکم زمین میں ہمیشہ کے لئے مستور و مخفی کر دیا گیا اور وہیں آج تک موجود و مودع ہے عام زیارت گاہ ہے۔ پس جو تنہا ہی چلتا تھا۔ تنہا ہی رہتا تھا۔ وہ تنہا ہی عرصہ بلا و آزمایش سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا، اور ربذہ کے صحرا میں تنہا ہی سویا ہوا ہے تا اینکہ جب اُٹھنے کا دن آئے تو وہ اس وقت بھی تنہا ہی اُٹھے!

حقیقی جذب و سرمستی کا چراغ گو اس کے بعد گل ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی جہاں کہیں اس کی کچھ روشنی پائی گئی یا اس وقت بھی پائی جاتی ہے وہ اسی کے فیض ریز شعاعوں کا نتیجہ ہے اور آیندہ عیسوی زہد و ورع کا ہدی محمدی علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ کے ساتھ جہاں کہیں بھی جمع ہوے وہ اسی اجتماع کا اثر جاری ہے فرضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الذین اتبعوہ باحسان۔

حضرت ابن مسعود کی روانگی اور آپ کے اہل و عیال کا انتظام

الغرض قضا و قدر نے جو کچھ چاہا وہ ہوا دفن کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے رفقا کے ساتھ باچشم تر آپ کے

خیمہ میں آئے۔

بیوی صاحبہ اور آپ کی یتیم صاحبزادی صاحبہ وہاں موجود تھیں آپ نے تسلی و تشفی کے کلمات ان کو کہے خود بھی سنبھلے ان کو بھی سنبھالا جب گونہ سکون پیدا ہو گیا تو چلنے کے ارادے سے اُٹھے۔

حضرت ابوذر کی صاحبزادی صاحبہ نے پوچھا کہ کہاں تشریف لے چلے ابّا نے وصیت کی ہے اور خدا کی قسم دی ہے کہ جب تک آپ لوگ کچھ کھا نہ لیں سوار نہ ہوں۔ اُنھوں نے اپنی زندگی میں بکری ذبح کرا کے پکے کا حکم دے دیا تھا۔ جو پک کر رکھی ہوئی ہے۔

یہ فرما کر کھانا پیش کر دیا کھایا تو کیا جاتا۔ لیکن مرنے والے کے اس خلوص کو دیکھ کر عبد اللہ بن مسعود دنگ ہو گئے اور ہونا چاہئے تھا کہ حضرت ابوذر رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس وقت بھی عمل کیا جب دنیا میں وہ اپنی آخری سانس پوری کر رہے تھے تاکہ یہ دعویٰ کہ "میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ملوں گا جس طرح آپ نے مجھ کو چھوڑا ہے" عملی طور پر مدلل ہو جائے۔

الغرض جو کچھ کھایا جا سکا کھانے والوں نے کھا لیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے کیا کیا۔ طبری نے اس کے متعلق دو روایتیں درج کی ہیں ایک میں یہ ہے کہ حضرت ابوذر رضؓ کے تمام اہل و عیال کو ساتھ لے لیا اور مکہ معظمہ میں جا کر حضرت عثمان رضؓ کے حوالے کر دیا۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ نہیں ان لوگوں کو تسلی دلاسا دے کر آپ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو اس جانکاہ حادثہ کی خبر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو سخت صدمہ ہوا

اور بجائے اصلی راستہ کے آپ مدینہ ربذہ کی طرف سے دئے راستہ میں ربذہ میں اترے اور تعزیت وغیرہ کرکے سب کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے۔

الغرض خواہ یہ ہو یا وہ ہو۔ اس پر دونوں روایتیں متفق ہیں کہ

ضمہ عثمان الی اھلہ | حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر کے بال بچوں کو اپنے اہل بچوں کے ساتھ ملا لیا تھا

فجزاہ اللہ عنی وعن المسلمین خیر الجزاء پھر دنیا نے ختم نبوت کے فیض صحبت کے آثار کو سرشاری وہشیاری، بے کاری وباکاری، خواب وبیداری، نیستی وہستی کی اس عجیب وغریب ترکیبی وجود کو کبھی نہیں دیکھا۔؟ حیدر کرار (کرم اللہ وجہہ) امام فن نحو حضرت ابوالاسودؒ دوئلی نے سچ فرمایا تھا۔

رأیت اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما رأیت لابی ذر شبیھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو میں نے دیکھا لیکن ابوذر جیسا تو کسی کو نہ دیکھا۔

(مسند احمد ص۱۸۱)

تمت

یقین و عمل - عبد القدوس ہاشمی - دو روپیہ آٹھ آنہ

زندگی کی ٹھوکریں - رئیس احمد جعفری - تین روپیہ چار آنہ

قائدین کے خطوط جناح کے نام - سعید - دو روپیہ

ناسیت - شاہد حسین رزاقی - دو روپیہ بارہ آنہ

ان پڑھ ہندوستان - فخر الحسن - تین روپیہ چار آنہ

اسلامی تہذیب کیا ہے - غلام دستگیر - دو روپیہ آٹھ آنہ

قصص و مسائل - مولانا عبد الماجد دریاآبادی - ایک روپیہ بارہ آنہ

ابو ذر غفاریؓ - مولانا مناظر احسن گیلانی - دو روپیہ بارہ آنہ

کاروان علم - فیض محمد بادشاہ حسین - تین روپیہ

گھر اور زندگی - بلقیس بیگم - تین روپیہ

بچوں کی نفسیات - شیر محمد اختر - ایک روپیہ بارہ آنہ

نفسیات زندگی - ″ ″ ایک روپیہ بارہ آنہ

شخصیت و کردار - ″ ″ دو روپیہ چار آنہ

کیا اور کیوں؟ افضل حسین فاروقی - بارہ آنہ

نثر ریاض - ریاض خیرآبادی - دو روپیہ بارہ آنہ

میخانۂ ریاض - تسنیم مینائی - تین روپے چار آنہ

نغمات ماہر - ماہر القادری - تین روپے

محسوسات ماہر - ماہر القادری - دو روپیہ بارہ آنہ

اسرار - علی اختر - دو روپے بارہ آنہ

کلیات حسرت - حسرت موہانی - تین روپے

تاج سخن - فصاحت جنگ جلیل تین روپیہ

شرح دیوان غالب - حسرت موہانی - ایک روپیہ

ریاض رضواں - ریاض خیرآبادی آٹھ روپیہ
الجھن - قیسی رام پوری دو روپیہ آٹھ آنہ
دھوپ - 〃 〃 تین روپیہ چار آنہ
سراب - مجنوں گورکھپوری تین روپیہ چار آنہ
صیدزبوں 〃 〃 دو روپیہ
وسوسے - فضل حق قریشی دو روپیہ بارہ آنہ
آجکل کے افسانے - فضل حق قریشی - دو روپیہ چودہ آنے
ولولے - قدوس صہبائی - دو روپیہ بارہ آنہ
جلوۂ رنگین - ڈاکٹر محمد نصیرالدین - تین روپیہ
گرداب - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ
لہریں - شفیق الرحمن دو روپے چودہ آنہ
زلزلے - قدوس صہبائی - دو روپے بارہ آنہ
نگینے - مظفر حسین شمیم دو روپے بارہ آنہ
تعبیریں - محمد امین شرقپوری دو روپیہ چودہ آنہ
مسکراہٹیں - کوثر چاندپوری - دو روپیہ بارہ آنہ
رنگین سپنے 〃 〃 دو روپیہ بارہ آنہ
کروٹیں - قدوس صہبائی - دو روپے بارہ آنہ
افسانے ڈرامے - سعادت حسن منٹو دو روپے بارہ آنہ
انگڑائیاں - احمد ندیم قاسمی - تین روپیہ چار آنہ
سیلاب 〃 〃 تین روپیہ آٹھ آنہ
اقبال کا تصور زمان - ڈاکٹر رضی الدین بارہ آنہ
سیاست جاپان - علی امام بلگرامی - دس آنہ

زندگی کے نئے زاویے - رئیس احمد جعفری - تین روپیہ
جمہوریہ چین - میر عابد علی - ایک روپیہ بارہ آنہ
ٹیگور اور ان کی شاعری - مخدوم محی الدین - ایک روپیہ آٹھ آنہ
تقدیریں - منظور بخاری - ایک روپیہ
پریم پجارن - قدوس صہبائی - پندرہ آنہ
تمدن عرب - سید علی بلگرامی - پینتیس روپے -
حج زینب - محسن بن شبیر - تین روپے
مجنوں کے خطوط - عطار الرحمن - دو روپیہ آٹھ آنہ
کاشانۂ نادر " ایک روپیہ بارہ آنہ
خواتین دکن کی اردو خدمات - نصیر الدین ہاشمی - دو روپیہ
ضیغم - سعیدہ مظہر ایک روپیہ آٹھ آنہ
غبار - قیسی رامپوری - دو روپیہ چار آنہ
دل کی آگ - ظفر واسطی - ایک روپیہ بارہ آنہ
لال کوٹھی - تبسم نظامی - تین روپیہ چار آنہ
چاند بی بی سلطانہ - وزیر حسن - تین روپیہ بارہ آنہ
کامیاب افسانے - وزارت انصاری - ایک روپیہ آٹھ آنہ
زرد چہرے - ابراہیم جلیس - دو روپیہ چار آنہ
روسی ظرافت - ضیائی - دو روپیہ چار آنہ
فلمی تتلیاں - بجلی جاپوری - تین روپیہ -
سیاسی تقاریر - نواب بہادر یار جنگ بہادر - تین روپیہ -
یورپ کے تاثرات - بدر شکیب - دو روپیہ آٹھ آنہ

ناخواندہ مہمان - بادشاہ حسین - ایک روپیہ
مسز سمپسن ″ ایک روپیہ
اُردو کا سب سے بڑا شاعر - ایک روپیہ آٹھ آنہ
جنات کی دنیا - مقبول احمد سیوہاروی ایک روپیہ چار آنہ
گاندھی جناح مراسلت - ضیائی - دس آنہ
اقبال کے خطوط جناح کے نام - چھ آنہ
ابن خلدون - عبدالقادر - چھ آنہ
ہٹلر کا نیا نظام - امتیاز حسین - دس آنہ
خدا اور کائنات - ماہرالقادری - نو آنہ
سیاروں پر زندگی - محمد عبدالرحمٰن - نو آنہ
شادی و محبت - مقصودہ فرحت - بارہ آنہ
تذکرہ یورپین شعرا اردو - محمد سردار علی - بارہ آنہ
بخارا کا جمہوری انقلاب - قدوس صہبائی نو آنہ
ترکستانی خاتون شاہراہ انقلاب پر - نو آنہ
مرد انقلاب - صہبائی - بارہ آنہ
گاوُدی - عروج - چودہ آنہ
ستارے - نجم آفندی - دس آنہ
جنگل کانفرنس - حیرت بدایونی - دس آنہ
رسول پاک کی صاحبزادیاں - قدوسی - ساڑھے بارہ آنہ
کردار - ماہرالقادری - دو روپیہ چار آنہ